اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان في أیمان القرآن: ص:۳۱۰)

شمارہ نمبر ۱۲

دوماہی

منہج سلف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

”جس کسی نے قرآن وحدیث کی ایسی تفسیر کی جو صحابہ اور تابعین کے زمانے میں معروف نہیں تھی تو ایسا شخص اللہ رب العالمین پر جھوٹ باندھنے والا، قرآن کی آیات میں الحاد کرنے والا اور کلام الٰہی کی باطل تاویل کرکے اس میں تحریف کرنے والا ہے۔ ایسا کرنا زندیقیت اور الحاد کا دروازہ کھولنا ہے اور دین اسلام میں اس کا بطلان معلوم بالضرورہ ہے۔“

مجموع الفتاوی (۱۳/۲۴۳)

جلد:۴-شمارہ نمبر:۱۲-شعبان: ۱۴۴۷ھ، فروری: ۲۰۲۶ء

اس شمارے میں:

- منہج سلف کی حجیت اور فہم سلف کی وضاحت
- کیا صحابہ کرام اپنے فہم کو حجت نہیں مانتے تھے؟
- کیا علما کے مابین ردوقدح کا سبب آپسی چپقلش ہے؟
- ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت): بعض شبہات کا جائزہ
- امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے قول "من ماشی المبتدع عندنا فهو مبتدع" کی تحقیق اور درست مفہوم کی نشاندہی

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

جلد:۴-شمارہ نمبر:۱۲-شعبان:۱۴۴۷ھ، فروری:۲۰۲۶ء

زیر اشراف:
فاروق عبداللہ نراین پوری
ابواحمد کلیم الدین یوسف

حافظ علیم الدین یوسف

مدیر:
عبداللہ عبدالرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

نائبین:
محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم

معاونین:
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے، تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔(مقدمہ حسن البیان:ص:۱۹)۔

فہرست

فہرست ۲

اداریہ ۳

منہج سلف کی حجیت اور فہم سلف کی وضاحت ۸

کیا صحابہ کرام اپنے فہم کو حجت نہیں مانتے تھے؟ ۲۴

کیا علما کے مابین ردوقدح کا سبب آپسی چپقلش ہے؟ ۵۹

ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت): بعض شبہات کا جائزہ ۶۸

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے قول "من ماشی المبتدع عندنا فهو مبتدع" کی تحقیق اور درست مفہوم کی نشاندہی ۸۵

اداریہ

بدعات کے وجود کا بنیادی سبب ترک سنت ہے، جس کسی نے سنت سے انحراف کیا ہے وہ بدعات میں الجھ گیا۔ چنانچہ اسی سبب کی جانب توجہ دلاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كبيرا."

عہد نبوی میں کسی قسم کا کوئی اختلاف موجود نہ تھا، البتہ نبی اکرم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی کہ آپ کی وفات کے بعد شدید اختلافات ہوں گے۔ نیز اس اختلاف کا سبب اور اس کا حل بھی بتایا۔ سبب یہ بتایا کہ لوگ سنت کی راہ ترک کر کے بدعات کے راستے پر چل پڑیں گے، اور حل یہ بتایا کہ سنت نبوی اور خلفاے راشدین کی سنت پر عمل پیرا رہا جائے ورنہ گمراہی مقدر ہوگی۔

لہذا گمراہی کا پہلا سبب نبی اکرم ﷺ کی سنت اور خلفاے راشدین کی سنت سے انحراف کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکور اس پر صراحتا دلالت کرتی ہے۔

دوسرا سبب: فہم صحابہ سے اعراض کرنا اور نصوص شریعت کی من مانی تاویل کرنا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس جانب بھی خصوصی توجہ دلائی اور واضح لفظوں میں یہ اعلان فرمایا کہ امت محمدیہ ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں صرف ایک جماعت ہوگی جو حق پر ہوگی اور وہ جماعت وہی ہوگی جو سنت نبوی اور منہج صحابہ پر ہوگی۔

فہم صحابہ کے قاعدے میں صحابہ کرام کا طریق استنباط بھی داخل ہے، یعنی انہوں نے نصوص شرعیہ سے استدلال میں کن اصول کو بنیاد بنایا ہے، مثلا: خاص دلیل کو عام دلیل پر مقدم کرنا، عام کی تخصیص بلا دلیل نہ کرنا، ایک مسئلہ میں وارد تمام دلائل کا احاطہ کرنا اور دلائل کے مجموعہ سے ایک نتیجہ اخذ کرنا، وغیرہ۔

اہل بدعت کا ہمیشہ سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ انہوں دلیل کے بیان میں تدلیس سے کام لیا ہے، چنانچہ بسا اوقات دلیل خاص کو دلیل عام کے معارض ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات کسی دلیل کے بغیر ہی عام کی تخصیص کرتے ہیں اور کبھی مسئلہ میں وارد ایک دلیل کو اٹھا کر بقیہ تمام دلائل کو اس کے معارض قرار دیتے ہیں، جیسا کہ خوارج، مرجئہ اور دیگر گمراہ فرقوں نے ماضی میں کیا۔

عصر حاضر میں بعض لوگوں نے عوام کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے فہم سلف اور منہج سلف میں تفریق بیان کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ دونوں کے مابین ایسا فرق ہے جو فہم سلف کی حجیت کو ساقط کر دیتا ہے۔ ذیل کے سطور میں اس بابت چند امور ملاحظہ فرمائیں:

منہج سلف اصل ہے اور فہم سلف اس کی فرع ہے۔ ذیل میں ان دونوں کو سمجھ لیں تاکہ بات واضح ہو سکے۔

منہج سلف: منہج سلف دراصل ایک جامع اصطلاح ہے جس میں کئی ایک امور داخل ہیں، مثلا:

(۱)۔ مصادر کے اعتبار سے:

سلف صالحین کے منہج میں جس طرح قرآن حجت اور دلیل ہے اسی طرح حدیث بھی حجت اور دلیل ہے۔

(۲)۔ شرعی دلائل کو عقلی دلائل پر مقدم کرنے کے اعتبار سے:

سلف صالحین کے منہج کے مطابق شرعی دلائل کو عقلی دلائل پر مقدم کیا جائے گا، لہذا اگر کوئی حدیث بظاہر انسان کی ناقص عقل کے مطابق نہیں ہے تو حدیث کو تسلیم کیا جائے گا اور عقل کی اصلاح کی جائے گی۔

(۳)۔ بدعات سے اجتناب:

منہج سلف میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی بھی ایسا عقیدہ یا ایسی عبادت جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے نہیں کیا اسے ترک کرنا واجب ہے اور اسے ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔

(۴)۔کتاب وسنت کے نصوص کا فہم:

کتاب وسنت کے نصوص کا وہی مفہوم مراد لینا جو مفہوم صحابہ کرام نے مراد لیا ہے، انہی کے طریقے پر ان سے استنباط کرنا۔ ساتھ ہی ان نصوص کا وہ مفہوم جو انہوں نے مراد نہیں لیا ہے اس میں بھی ان کی پیروی کرنا منہج سلف کی اساس ہے۔

فہم سلف: فہم سلف سے یہی آخر الذکر شیئ مراد ہے، یعنی نصوص کی فہم میں صحابہ کرام کے فہم کا اعتبار کرنا۔

اس اعتبار سے فہم سلف، منہج سلف کا جزو لاینفک ہے، جس کی مخالفت یا جس کا انکار گمراہی ہے۔

فہم صحابہ کے اس مفہوم اور اس کی دین میں اہمیت کے بیان میں امام احمد رحمہ اللہ کی ایک بڑی عظیم نصیحت ہے جو انہوں نے ابو عبد الرحیم محمد بن احمد الجوزجانی رحمہ اللہ کو فرمائی تھی، ذیل میں اسے ملاحظہ فرمائیں:

«وَاعْلَمْ رَحِمَكَ اللَّهُ أَنَّ الْخُصُومَةَ فِي الدِّينِ لَيْسَتْ مِنْ طَرِيقِ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَأَنَّ تَأْوِيلَ مَنْ تَأَوَّلَ الْقُرْآنَ بِلَا سُنَّةٍ تَدُلُّ عَلَى مَعْنَاهَا أَوْ مَعْنَى مَا أَرَادَ اللَّهُ عز وجل أَوْ أَثَرٍ، قَالَ الْمَرُّوذِيُّ: أَوْ أَثَرٍ عَنْ أَصْحَابِ الرَّسُولِ صلى الله عليه وسلم، وَيُعْرَفُ ذَلِكَ بِمَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَوْ عَنْ أَصْحَابِهِ، فَهُمْ شَاهَدُوا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَشَهِدُوا تَنْزِيلَهُ، وَمَا قَصَّهُ لَهُ الْقُرْآنُ، وَمَا عُنِيَ بِهِ، وَمَا أَرَادَ بِهِ، وَخَاصٌّ هُوَ أَوْ عَامٌّ، فَأَمَّا مَنْ تَأَوَّلَهُ عَلَى ظَاهِرٍ بِلَا دَلَالَةٍ

مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلَا أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَهَذَا تَأْوِيلُ أَهْلِ الْبِدَعِ، لِأَنَّ الْآيَةَ قَدْ تَكُونُ خَاصَّةً وَيَكُونُ حُكْمُهَا حُكْمًا عَامًّا، وَيَكُونُ ظَاهِرُهَا عَلَى الْعُمُومِ، فَإِنَّمَا قَصَدَتْ لِشَيْءٍ بِعَيْنِهِ، وَرَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْمُعَبِّرُ عَنْ كِتَابِ اللَّهِ عز وجل، وَمَا أَرَادَ وَأَصْحَابُهُ رضي الله عنهم أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنَّا لِمُشَاهَدَتِهِمُ الْأَمْرَ وَمَا أُرِيدَ بِذَلِكَ»۔[1]

"اور جان لو، اللہ تم پر رحم فرمائے، کہ دین کے معاملے میں جھگڑا اور خصومت اہلِ سنت کا منہج نہیں ہے۔ اور جو شخص قرآن کی ایسی تاویل کرے جس کے معنی پر نہ کوئی سنت دلالت کرتی ہو، نہ مراد الٰہی، اور نہ کوئی اثر (نقلِ سلف) موجود ہو — مروذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور نہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے کوئی اثر ہی منقول ہو۔

بلکہ اسے (یعنی قرآن کے درست معنی کو) نبی اکرم ﷺ یا آپ کے صحابہ سے ثابت شدہ منقولات کے ذریعہ جانا جاتا ہے؛ کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، نزولِ قرآن کا مشاہدہ کیا، اور یہ بھی جانا کہ قرآن نے کس واقعہ کو بیان کیا، کس بات کو موضوع بنایا، کس حکم کو مراد لیا اور آیا وہ حکم خاص تھا یا عام۔ پس جو شخص قرآنی آیات کو ان کے ظاہر پر اس طرح محمول کرے کہ اس ظاہری معنی پر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے کسی صحابی سے کوئی دلیل نہ ہو، تو یہ اہلِ بدعت کی تاویل ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات کوئی آیت خاص ہوتی ہے لیکن اس کا حکم عام ہوتا ہے، اور کبھی اس کا ظاہر عموم پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اس سے مراد کوئی خاص چیز ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی کتاب کے ترجمان ہیں، وہی اس کے مراد کی وضاحت کرنے والے ہیں؛ اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ ان امور کو جاننے والے تھے، کیونکہ انہوں نے خود ان امور کا مشاہدہ کیا تھا اور اس بات کو جانا تھا کہ ان سے کیا مراد لیا گیا ہے۔"

---

[1] «السنة لأبي بكر بن الخلال» (٤/ ٢٣)

البتہ یہ بھی یاد رہے کہ فہم سلف کی اسی اہمیت اور مقام کے پیش نظر اسے منہج سلف کے مترادف کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہی وہ اساس ہے جو منہج سلف اور منہج اہل البدع میں فرق کرتا ہے، گویا فہم سلف منہج سلف کا ایسا رکن ہے جس کے بغیر منہج سلف کا تصور ادھورا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح رکوع کے بنا رکعت کا وجود ناممکن ہے۔

ڈاکٹر زبیر صاحب نے کچھ عرصہ قبل اپنی ایک پوڈ کاسٹ میں فہم سلف پر کچھ لایعنی اعتراضات پیش کیے تھے جن پر رد لکھنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہ تھا، لیکن جب بعض لوگوں نے یہ دعوی کرنا شروع کر دیا کہ ان کے اعتراضات کا سلفیوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے تو ہم نے اس پر قلم اٹھانا ضروری سمجھا، ورنہ جس طرح کی تاویلات، اختلاط مبحث اور ناقص استدلالات انہوں نے پیش کیے تھے ان سے اتنا واضح ہو گیا کہ سلف کی کتابوں سے ان کا اعتنا نہایت کم ہے۔

اخیر میں سلفی نوجوانوں کو خصوصا اور تمام مسلمانوں کو عموما نصیحت یہی ہے کہ کتاب وسنت اور منہج صحابہ کے مطابق اپنی زندگی ڈھالیں تاکہ فتنوں اور گمراہیوں کے سیلاب میں آپ کا ایمان وعمل سلامت رہے۔

ابواحمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

منہج سلف کی حجیت اور فہم سلف کی وضاحت

منہج طریقہ کو کہتے ہیں، اور اس کی اضافت سلف صالحین کی جانب ہو تو اسے "منہج سلف صالحین" کہتے ہیں، جس کا مطلب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے طریقہ پر چلنے والے تابعین و تبع تابعین کا طریقہ۔ جسے ہم اہل برصغیر "اہل حدیثیت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

سلف سے کون سی جماعت مراد ہے؟

سلف سے اصلا صحابہ کرام کی جماعت مراد ہوتی ہے، تابعین کے زمانے میں اس لفظ کا اطلاق صحابہ کرام کی جماعت پر کیا جانا معروف امر تھا۔ اس کے دلائل بے شمار ہیں، چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

پہلی دلیل: میمون بن مہران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مروان رحمہ اللہ نے مجھے بلایا تاکہ میرا نام دیوان (سرکاری وظیفہ کی فہرست) میں درج کردے، مگر میں نے انکار کردیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کیا تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ مسلمانوں میں تمہارا کوئی حصہ ہو؟ میں نے جواب دیا: مسلمانوں میں میرا حصہ ہے، اگرچہ میں دیوان میں شامل نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: **کیا تم جانتے ہو کہ سلف میں سے بھی کوئی ایسا تھا جو**

دیوان میں شامل نہ ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ۔[۱]

دوسری دلیل: علی بن حسن بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: «لا تحدثوا عن عَمْرو بْن ثابت، فإنه كَانَ يسب السلف.» "عمرو بن ثابت سے حدیث بیان نہ کرو، کیوں کہ وہ سلف (صحابہ) کو برا بھلا کہتا تھا"۔[۲]

قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے اس عظیم جماعت کو مختلف القابات سے پکارا ہے اور ان کے طریقہ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ فرمان باری تعالی ہے: { وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا }[۳]

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

عبد الرحمن ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کو اختیار کرنے کا، ان کے منہج پر چلنے کا، ان کی راہ کو اپنانے کا اور ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیا ہے،

---

[۱] جامع معمر بن راشد: (۱۱- ۱۰۳)۔

[۲] «تهذيب الكمال في أسماء الرجال» (۲۱/ ۵۵۵)

[۳] [سُورَةُ النِّسَاءِ:۱۱۵]

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: { وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى }[سُورَةُ النِّسَاءِ: ۱۱۵]۔[۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور وہ تابعین جو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ صحابہ کرام کے راستہ پر چلیں ان کے ایمان کی گواہی دی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں "المؤمنین" سے مراد یقینی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔[۲]

امام سفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مذہب سلف سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور وہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام رحمہم اللہ چلتے رہے جن کی امامت کی گواہی امت نے دی، ان کے علم وفضل اور دینی خدمت کا اعتراف امت مسلمہ نے کیا، بعد میں آنے والے لوگوں نے ان کے علم سے استفادہ کیا، نیز ان میں سے کوئی بھی کسی بھی قسم کی بدعت میں ملوث نہیں ہوئے، جیسے: خارجیت، رافضیت، ارجاء، اعتزال، قدر، جہمیت وغیرہ۔[۳]

سطور بالا میں سلف کا معنی ومفہوم آپ کے سامنے واضح کیا جا چکا ہے، نیز آپ قارئین نے یہ بھی بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ کتاب وسنت کو سمجھنے کے جن اصول وضوابط اور منہج وطریقہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اختیار کیا تھا اسی پر چلنا اور انہی اصول وضوابط کی روشنی میں کتاب وسنت کو سمجھنا فہم سلف کہلاتا ہے۔

---

[۱] [الجرح والتعدیل (۱/۷)]

[۲] [الانتصار لأهل الأثر (ص:۳)]

[۳] لوامع الانوار البہیہ: (۱/۲۰)۔

چنانچہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:"كلُّ عبادة لم يتعبَّد بها أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، فلا تتعبَّدوا بها؛ فإن الأول لم يدع للآخر مقالًا"(۲).

جن عبادتوں کو صحابہ کرام نے انجام نہیں دیا تم بھی ان عبادتوں کو نہ کرو، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے بعد آنے والوں کے لئے کسی قسم کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے.

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّئٌ»۔[۱]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس امر کو بہتر سمجھیں وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بہتر ہے، اور جن امور کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قبیح اور برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

پہلے اثر میں ہر وہ عقیدہ و عبادت جو سلف یعنی صحابہ کرام کے یہاں نہیں تھی بعد کے لوگوں کیلئے ان عقائد و عبادات کا انجام دینا جائز نہیں۔

اور دوسرے اثر کی روشنی میں جن امور کے اچھا ہونے پر صحابہ اتفاق کرلیں وہ اچھا ہے اور جن کے برا ہونے پر اتفاق کرلیں وہ برا ہے۔

یہاں چند باتوں کا سمجھ لینا از حد زیادہ ضروری ہے:

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو سمجھنے کیلئے جو معیار مقرر کیا وہ "ما انا علیہ وأصحابي" ہے، اور الحمدللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک سے بھی بدعت کا صدور نہیں ہوا، گویا نبی کریم صلی اللہ

[۱] «فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل» (١/ ٣٦٧)

علیہ وسلم نے ہمیں اس راستہ پر چلنے کا حکم دیا جس پر ذرہ برابر بھی بدعت کی آمیزش نہ ہو، اس لئے ہر جمعہ کے خطبہ میں "وایاکم و محدثات الأمور، کل بدعۃ ضلالہ" کا درس ان صحابہ کرام کو دیا کرتے تھے جن سے بدعت کا صدور ممکن نہیں تھا۔

۲- قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سمجھا تھا اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا تھا، جو جماعت وحی الٰہی کو صاحب وحی سے سمجھے ان سے بہتر دین کو سمجھنے اور سمجھانے والا کون ہو سکتا ہے؟

۳- اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان و عمل اور علم و تقوی کی گواہی دی، ان کی اتباع کو اپنی رضامندی کا معیار قرار دیا، آسمان سے ان سے رضامندی کی نوید سنائی، ایسی مبارک جماعت کے سوا اور کون دوسری جماعت ہو سکتی ہے جن کا فہم کتاب و سنت کو سمجھنے کا معیار ٹھہر سکے؟

اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ))۔

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیروی کرتے ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

۴- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت و ضلالت اور گمراہی کے آنے کی پیشن گوئی کی تھی اور اس پر فتن دور اور بدعت و ضلالت کی تاریکی سے صحیح سلامت نکلنے اور بچنے کا نسخہ کیمیا بتایا تھا وہ منہج سلف ہی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا وَإِيَّاكُمْ

وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)).[1]

تم میں سے آئندہ جو زندہ رہے گا وہ (امت کے اندر) بہت سارے اختلافات دیکھے گا تو تم (باقی رہنے والوں) کو میری وصیت ہے کہ نئے نئے فتنوں اور نئی نئی بدعتوں میں نہ پڑنا، کیوں کہ یہ سب گمراہی ہیں۔ چنانچہ تم میں سے جو شخص ان حالات کو پالے تو اسے چاہیے کہ وہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم اور جمارہے اور میری اس نصیحت کو اپنے دانتوں کے ذریعے مضبوطی سے دبالے"۔ (اور اس پر عمل پیرا رہے)۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے اور اختلافات کے حل کیلئے اپنی سنت اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو معیار بتایا ہے، **حالانکہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی سنت بھی اختلافات کے حل کیلئے کافی ہے لیکن نصوص شریعت کو منہج سلف کی روشنی میں سمجھنے اور برتنے کی اہمیت کو بتانا مقصود ہے۔**

۵-فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِه فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منھ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لوگوں نے -اللہ اور اس کے رسول نیز کتاب وسنت- کی تصدیق اس طرح کی جس طرح تم لوگوں نے کی ہے تبھی جاکر انہیں ہدایت مل سکتی ہے۔[2]

---

[1] [سنن ابی داود (۴/۲۰۰، رقم:۴۶۰۷)]

[2] [تفسیر الطبری (۳/۱۱۴)]

۶-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.[۱]

اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے''۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ماانا علیہ واصحابی کا مطلب یہ ہے کہ جو اعتقاد اور قول وعمل میں میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا وہی ہدایت یافتہ ہوگا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت سے تمسک اختیار کرنے والا ہوگا، کیونکہ صحابہ کرام ہی وہ جماعت ہیں جنہوں نے بالمشافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ سے دین حاصل کیا اور شریعت کے مصالح و مفاسد اور تقاضے سے پوری طرح مطلع تھے۔[۲]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر مسلمان کیلئے دو چیزیں اپنانا ضروری ہے، ایک نیت میں اخلاص ہو، دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی بہتر طریقے سے اتباع کی جائے، اور اگر کوئی مسلمان کتاب وسنت پر عمل کرنے میں بڑا ہی مخلص ہے، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہے پھر یہ اس کیلئے ناکافی ہے جب تک کہ اس کا منہج درست اور صحیح نہ ہو، اور کسی کا منہج اس وقت صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع نہ کرلے... چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ

---

[۱] [جامع الترمذی (۵/۲۶، ۲۶۴۱)]

[۲] [مرعاۃ المفاتیح (۱/۲۷۴)]

کون سی جماعت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک اس آیت کریمہ کے معنی کے بالکل موافق و مطابق ہے جس میں اللہ رب العالمین نے فرمایا: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔[1]

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے.

سبیل المؤمنین کے عموم میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین داخل ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف "ما أنا علیہ" پر اکتفا نہیں کیا، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی جنت میں جانے کیلئے کافی ہے جیسا کہ کتاب و سنت کو جاننے اور سمجھنے والے اس چیز سے بخوبی واقف ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کیلئے ہمدرد و مہربان تھے، اور اس مقام پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و ہمدردی مسلمانوں کیلئے واضح طور پر نظر آتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نجات پانے والے فرقے کی یہ علامت بتلائی کہ: وہ اس طریقے پر قائم و دائم اور رواں اور دواں ہوں گے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، چنانچہ مسلمانوں کیلئے اور داعیان حق کیلئے جائز نہیں کہ وہ کتاب و سنت کو سمجھنے کیلئے صرف عربی زبان اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کا سہارا لیں، بلکہ ان سب سے قبل انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق قرآن و حدیث کو سمجھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔[2]

---

[1] [سُورَةُ النِّسَاءِ:۱۱۵]

[2] [فتنۃ التکفیر (ص:۳-۴)]

مختصر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس بات کی دعوت دی ہے وہ یہی کہ: کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے اور اس کی تفسیر وتشریح کرنے اور اس پر عمل کرنے کا وہی طریقہ ومنہج اور طرز وانداز اپنانا ہوگا جو صحابہ کرام کا تھا، انہی کے فہم ومنہج کو اپنے لئے کافی سمجھنا ہوگا تاکہ بدعت کی راہ مسدود ہوسکے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد آنے والے تابعین اوت تبع تابعین نے ان آیات واحادیث سے یہی سمجھا، اور لوگوں کو اسی کی تلقین کی.

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے (منہج وطریقہ) سے راضی ہوجاؤ۔ [۱]

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سنت پر ثابت قدم رہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جہاں توقف اختیار کیا وہاں تم بھی توقف اجتیار کرو، سلف صالحین کے راستہ کو اختیار کرو۔ [۲]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے عقائد کے بنیادی اصولوں میں ایک اصول یہ ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے منہج کو مضبوطی سے لازم پکڑنا اور ان کی اقتدا کرنا۔ [۳]

اب سوال یہ ہے کہ "منہج سلف" اور "فہم سلف" کیا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں یا دونوں ایک ہی چیز ہے بس تعبیر کا اختلاف ہے؟

---

[۱] [سنن ابی داود (۴/۲۰۲)]

[۲] [الشریعہ للآجری (۲/۶۷۳)]

[۳] [اصول السنہ (ص:۱۴)]

اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہے، کتاب و سنت کی فہم اور اسے سمجھنے کا جو منہج و طریقہ سلف صالحین نے اپنایا اسی کو کوئی "فہم سلف صالحین" سے تعبیر کرتے ہیں تو کوئی "منہج سلف صالحین" سے۔

عام طور پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ: منہج سلف تمام سلف صالحین کے طریقہ کو کہتے ہیں، جب کہ "فہم سلف" کسی ایک فرد یا بعض افراد کے فہم کو کہتے ہیں، اس لئے منہج سلف تو حجت ہے لیکن فہم سلف حجت نہیں۔

یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ کتاب و سنت کو سمجھنے کے متعلق سلف صالحین کا جو فہم ہوتا ہے اسی کو منہج کہتے ہیں، یعنی جس نہج و طریقہ پر وہ کتاب و سنت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ سلف میں سے ہر فرد کتاب و سنت کو سمجھنے کی اپنے اپنے تئیں کوشش کرتے تھے تو ہر ایک کے فرد کو حجت کیسے بنا سکتے ہیں، کیونکہ ہر فرد کی ایک ہی سوچ یا ایک ہی جیسی سمجھ ہو یہ ممکن تو نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جس طرح سے کتاب و سنت کے "فہم و تعامل" کو ہی "منہج" کہتے ہیں، گویا "منہج سلف" کی بنیاد "فہم سلف" پر ہے، اور دونوں میں کوئی تفریق نہیں۔

ائمہ کرام اور اہل علم کے یہاں منہج سلف اور فہم سلف کا استعمال:

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مامون سے قبل بنو امیہ اور بنو عباس کے تمام خلفا "منہج سلف" پر قائم تھے۔[1]

[1] [البدایہ والنہایہ (۳۹۶/۱۴)]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علو کے مسئلہ میں کئی اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: سلف صالحین اور ائمہ کرام کا فہم یہ ہے کہ اللہ رب العالمین آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش پر مستوی ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے۔[۱]

ابن القیم رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں: جو لوگ "فہم سلف" کی حقیقت اور قدر و منزلت کو نہیں جانتے اور نہ سلف صالحین کی علمی گہرائی پر مطلع ہیں انہی کے ذہنوں میں اس آیت کریمہ کہ تفسیر میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔[۲]

ایک جگہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ کے متعلق یہی "فہم سلف" ہے۔[۳]

امام شاطبی رحمہ اللہ قیام الیل کے سلسلے میں فرماتے ہیں: فہم سلف صالحین یہی ہے کہ گھروں میں قیام اللیل کرنا افضل ہے۔[۴]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم نافع وہ علم ہے جس کی بنیاد کتاب اللہ سنت رسول اور فہم سلف صالحین پر ہو۔[۵]

---

[۱] [مجموع الفتاوی (۲۳۱/۵)]

[۲] [رسالة ابن القيم إلى أحد إخوانه (ص:۱۱)]

[۳] [زاد المعاد (۴۶۸/۵)]

[۴] [الاعتصام (۴۱۶/۱)]

[۵] [دروس الشيخ الألباني (۲/۱۶)]

ایک مقام پر شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص کتاب و سنت اور منہج سلف پر اعتماد کرتا ہے اس کی عقل اس شخص سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو کتاب و سنت پر تو اعتماد کرتا ہے لیکن فہم سلف کے بجائے اپنے فہم سے کتاب و سنت کو سمجھتا ہے۔[۱]

یہاں شیخ البانی رحمہ اللہ نے "منہج سلف" اور "فہم سلف" کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے۔

ایک مقام پر شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ عقیدہ توحید، کتاب و سنت اور منہج سلف کی طرف دعوت دینے سے امت میں اختلاف و انتشار پیدا ہوتا ہے اس کا یہ کہنا بڑی گمراہی ہے۔[۲]

ائمہ کرام کے مذکورہ بالا اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ "منہج سلف" اور "فہم سلف" کا استعمال دونوں ایک معنی میں استعمال ہوتا تھا، اور وہ یہ کہ کتاب و سنت کو سلف صالحین کے فہم اور منہج کے مطابق سمجھنا ہے۔[۳]

خلاصہ کلام یہ کہ: نصوص کتاب و سنت کو سمجھنے، برتنے اور اس کے ساتھ تعامل کرنے کا جو طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا تھا اسے ہی منہج سلف کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ:

کوئی مسئلہ یا بات اس وقت تک "منہج سلف صالحین" کا متفق علیہ حصہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس مسئلہ پر سلف صالحین کا اجماع نہ ہو۔

چنانچہ یوسف العفیص حفظہ اللہ فرماتے ہیں: کسی مسئلہ میں منہج سلف کی معرفت کا دو ضابطہ ہے:

---

[۱] [جامع تراث العلامہ الألباني (۵۳۸/۶)]

[۲] [جامع تراث العلامہ البانی (۸۵/۲)]

[۳]

۱-کوئی مسئلہ یا قول مشہور ہو کہ یہ منہج سلف ہے، اور اس مسئلہ کی مخالفت میں کسی دوسرے سلف کا قول موجود نہ ہو، جیسے امام لالکائی کی کتاب شرح اصول السنہ، امام ابن بطہ کی کتاب الابانہ اور ان جیسی عقیدے کی کتابوں میں جن مسائل کا تذکرہ ہے وہ سلف صالحین کا منہج اور ان کا فہم ہے، اور وہ مسائل مشہور و معروف ہیں، ان میں کسی کا اختلاف موجود نہیں، چنانچہ ہر زمانے کے مؤلف کا اپنی کتاب میں سلف صالحین سے ایک ہی طرح کی بات نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان مسائل میں سلف کا منہج وہی ہے جو ان مؤلفین نے نقل کیا ہے۔

۲-دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ: کبار اور مشہور علمائے کرام جیسے ابن عبد البر، ابن تیمیہ، ابن رجب وغیرہم رحمہم اللہ کہیں کہ یہ منہج سلف یا فہم سلف ہے، یا اس مسئلہ پر سلف صالحین کا اجماع ہے، جب ان جیسے کبار اہل علم کسی مسئلہ کو منہج سلف یا فہم سلف اے تعبیر کریں اور ان کی مخالفت بھی کسی نے نہ کی ہو تو وہ سلف صالحین کا منہج قرار پاتا ہے۔[۱]

معلوم یہ ہوا کہ کسی مسئلہ کو سلف کا منہج یا فہم سلف بتانے کیلئے مذکورہ بالا دونوں ضابطوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

اور ساتھ میں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلی جائے کہ دین کے اصولی اور بنیادی اور اعتقادی مسائل میں اہل سنت اور اہل حدیث کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن خفیف الشیرازی فرماتے ہیں: مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عقیدے کے مسائل میں اتفاق ہے۔[۲]

---

[۱] [شرح حدیث الافتراق (۸/۱)]

[۲] [مجموع الفتاوی (۷۱/۵)]

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ سے لے کر آج تک جو اختلافات واقع ہوئے وہ اجتہادی مسائل میں ہوئے۔[۱]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصولی اور بنیادی مسائل میں اہل سنت اور اہل حدیث کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔[۲]

چنانچہ سلف صالحین کے یہاں عقیدے کے مسائل میں اختلاف کا پایا جانا نادر ہے۔

ہاں بعض فقہی مسائل میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال باہم متعارض رہے ہیں، چنانچہ جن مسائل میں سلف صالحین کے یہاں اختلاف موجود ہو تو اس اختلاف کا حل کتاب و سنت کی طرف رجوع کرکے حاصل کیا جائے گا، یا اس قول کو لیا جائے گا جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے زیادہ قریب ہو، کوئی تیسرا نیا قول کا ایجاد نہیں کیا جائے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں سلف صالحین میں سے ہر فرد کا قول ملے، اگر کسی ایک مشہور سلف کا قول بھی موجود ہے، اور اس کی مخالفت کسی دوسرے سلف سے موجود نہیں نیز علمائے کرام اس مسئلہ کو منہج سلف بتایا ہے تو وہ منہج سلف ہی ہوگا، یہ دعوی کرکے اس قول کو ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالا جاسکتا کہ سلف میں سے صرف ایک کا قول ہی موجود ہے، دیگر سلف سے اس قسم کہ باتیں نہیں ملتی، بلکہ سلف میں سے آپ کو کسی کا ایسا قول پیش کرنا ہوگا جو اس سلفی عالم کے قول کے خلاف ہو تب جاکر آپ کا دعوی مستحکم ہوگا، بصورت دیگر اس قول کی اہمیت و افادیت برقرار رہے گی۔

---

[۱] [الاعتصام (۲/۷۰۰)]

[۲] [درء تعارض العقل والنقل (۱۰/۳۰۶)]

اب یہاں اجماع و اتفاق کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ کسی اجماعی مسئلے میں ہر صحابی کا قول ہونا ضروری ہے، کیونکہ ایسا کوئی بھی اجماع یا اتفاق نہیں ملتا جس میں تمام عشرہ مبشرہ اور بدری صحابیوں کے اقوال فردا فردا موجود ہوں، اجماع صحابہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی صحابی نے کوئی قول یا عمل پیش کیا ہو اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی ان کی موافقت میں اقوال موجود ہوں، یا اگر کسی مسئلہ کسی ایک ہی صحابی کا قول موجود ہو لیکن تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت نہ کی ہو تو یہ اجماع صحابہ کہلاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک دوسرے کی غلطیوں پر رد بھی کیا کرتے تھے جس کی کافی مثالیں موجود ہیں، اگر کسی مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سکوت اختیار کیا ہے، اور اس پر رد نہیں کیا ہے تو وہ اجماعی مسئلہ ہوگا.

مثال کے طور پر قرآن مجید کی ایک آیت ہے:"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون." جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں کفر سے مراد کفر اصغر ہے۔

جب کہ خوارج اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کفر اکبر ہے اور جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، جب کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔[1]

محل شاہد یہ ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفر اصغر صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، دیگر صحابہ کرام سے کچھ ثابت نہیں، نیز اس تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت بھی

---

[1] تفسیر المعانی (۴۲/۲)۔

کسی صحابی سے ثابت نہیں، اس آیت کریمہ کے متعلق عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فہم منہج سلف کی ترجمانی کرتا ہے، نیز یہ آیت اور ان جیسی آیات کو سمجھنے کیلئے اکیلے صحابی عبد اللہ بن عباس رضی عنہما کا فہم منہج سلف قرار پایا اور اس کی مخالفت اہل بدعت کی علامت قرار پائی، جیسا کہ امام سمعانی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

کیا صحابہ کرام اپنے فہم کو حجت نہیں مانتے تھے؟

اہل سنت اور اہل بدعت کے مابین حد فاصل فہم سلف ہے۔ سلف کا اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جبکہ ان کے بعد آنے والی قوم سلف کے مفہوم میں تبعًا داخل ہیں۔ سلف کا یہ مفہوم خود تابعین کے زمانے میں رائج اور معروف تھا، چنانچہ رشدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَقَالَ رَاشِدُ بْنُ سَعْدٍ: كَانَ السَّلَفُ يَسْتَحِبُّونَ الْفُحُولَةَ، لِأَنَّهَا أَجْرَى وَأَجْسَرُ.»[1]

راشد بن سعد تابعی نے بیان کیا کہ سلف (صحابہ) نر گھوڑے کی سواری پسند کیا کرتے تھے کیوں کہ وہ دوڑ تا بھی تیز ہے اور بہادر بھی بہت ہوتا ہے۔

نیز متقدمین نے کسی شخص کی تجریح کے لئے جو اسباب ذکر کئے ہیں ان میں ایک سلف یعنی صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا بھی شامل ہے اور اس بنیاد پر انہوں نے بعض لوگوں کی روایتیں بھی ترک کی ہیں۔ عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «دعوا حديث عمرو بن ثابت فإنه كان يسب السلف.»[2]

عمرو بن ثابت سے حدیثیں نہ لو، کیوں کہ وہ سلف (صحابہ) کو برا بھلا کہتا تھا۔

---

[1] «صحيح البخاري» (۳/۱۰۵۱)

[2] «صحيح مسلم» (۱/۱۲)

لہذا جب سلف کا اولین مصداق صحابہ کرام ٹھہرے تو قرآن وحدیث کے نصوص کے فہم میں بنیادی طور پر ان کا قول وعمل حجت ہے، اور جو کوئی بھی ان کے فہم سے روگردانی کرتے ہوئے نصوص کا کوئی ایسا مفہوم تراشے جس کی اصل فہم صحابہ میں موجود نہ ہو تو ایسا شخص بدعت کی راہ کھولنے والا ہے۔

ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پائے گئے ہیں جس نے فہم سلف کی اس قید سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، مگر الہ رن العالمین کے فضل وکرم سے اہل سنت کے علمانے ان کی خوب خوب خبر لی اور ان کے ذریعہ پھیلائے گئے تمام شکوک وشبہات کا مسکت اور مدلل جواب تحریر کیا۔

دور حاضر میں ڈاکٹر زبیر نے فہم سلف پر اعتراضات اور اسے مشکوک بنانے کے مذموم عمل کو رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ گرچہ وہ اپنے سلفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سلفیت کے سرسبز وشاداب درخت کے تلے بیٹھ کر اسی کی جڑ کاٹنے میں لگے ہیں۔ فہم سلف سلف صالحین کے نزدیک بلا نزاع حجت مانا جاتا رہا ہے بلکہ اہل بدعت پر رد کرتے وقت تمام سلف اسے ایک قوی حجت کے طور پر پیش کرتے تھے۔ پھر یہ کون سی نئی سلفیت کی دعوت ہے جس میں فہم سلفیت کی حجیت کو مشکوک ٹھہرایا جارہا ہے؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار.

ڈاکٹر زبیر کا ایک پروگرام نشر ہوا جس میں انہوں نے فہم سلف کی حجیت پر بہت سارے اعتراضات وارد کرکے اس کی حجیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان اعتراضات کو سن کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس مسئلے میں علم کی کمی کے شکار ہیں اور جہلاً یا عمداً مسئلے کو خلط ملط کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں ڈاکٹر صاحب کے دو اہم اعتراضات اور ان کے جوابات پیش خدمت ہیں:

ڈاکٹر صاحب کے **پہلے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ** صحابہ کرام نے خود اپنے فہم کو حجت نہیں مانا ہے تو ان کے بعد آنے والے اسے حجت کیسے مان سکتے ہیں؟

دوسرا اعتراض یہ جتایا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان متعدّد مسائل میں اختلاف وارد ہوا ہے، اگر ان کا فہم حجت ہوتا تو یہاں ہم کس کا فہم لیں گے ؟

پہلے اعتراض کا جواب:

صحابہ و تابعین کے نزدیک فہم صحابہ حجت ہے۔

قارئین کرام: متعدّد صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اسلام سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ وہ فہم صحابہ کی حجیت کے قائل تھے اور یہی وجہ ہے اہل بدعت سے مناظرہ کرتے وقت اپنے فہم کو ان کے خلاف حجت بھی بناتے تھے۔ ذیل میں ان کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

آثارِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ (خوارج سے مکالمہ)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اصاغر صحابہ میں آتے ہیں، آپ صغر سنی کے باوجود اپنے علم کے سبب کبار صحابہ کی مجالس میں بٹھا کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے آپ کے لیے خصوصی دعا فرمائی تھی، بالخصوص یہ دعا کہ اللہ آپ کو مفسر قرآن بنائے۔ ان کے علم و فضل کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ساتھ اپنی خاص مجالس میں بٹھایا کرتے تھے۔

آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خوارج سے مناظرہ کیا تھا جس کے سبب بہت سارے لوگوں کو اللہ نے گمراہی سے نجات دی تھی۔ ذیل میں اس پورے واقعہ کو ملاحظہ فرمائیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: «لَمَّا اعْتَزَلَتِ الْحَرُورَاءُ، فَكَانُوا فِي دَارٍ عَلَى حِدَتِهِمْ، قُلْتُ لِعَلِيٍّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَبْرِدْ عَنِ الصَّلَاةِ لَعَلِّي آتِي هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَأُكَلِّمَهُمْ. قَالَ: إِنِّي أَتَخَوَّفُهُمْ عَلَيْكَ. قَالَ: قُلْتُ: كَلَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

قَالَ: فَلَبِسْتُ أَحْسَنَ مَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ هَذِهِ الْيَمَانِيَّةِ، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَيْهِمْ وَهُمْ قَائِلُونَ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ. فَدَخَلْتُ عَلَى قَوْمٍ لَمْ أَرَ قَوْمًا قَطُّ أَشَدَّ اجْتِهَادًا مِنْهُمْ، أَيْدِيهِمْ كَأَنَّهَا ثَفِنُ الْإِبِلِ، وَوُجُوهُهُمْ مُعَلَّمَةٌ مِنْ آثَارِ السُّجُودِ. فَقَالُوا: مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، مَا جَاءَ بِكَ؟ قُلْتُ: جِئْتُ أُحَدِّثُكُمْ، **عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ الْوَحْيُ، وَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ مِنْكُمْ. فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تُحَدِّثُوهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلَى نُحَدِّثُهُ.**»[1]

ترجمہ: جب خوارج (حروریہ) جماعت سے الگ ہو کر ایک گھر میں اپنے طور پر جمع ہو گئے تو میں نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! ذرا نماز میں تاخیر کریں، شاید میں ان لوگوں کے پاس جا کر بات چیت کروں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ تمھیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، ان شاء اللہ کچھ نہ ہوگا۔ پھر میں نے اپنے پاس موجود بہترین یمانی کپڑے پہنے اور دوپہر کے وقت جب وہ آرام کر رہے تھے، ان کے پاس داخل ہوا۔ میں نے ان لوگوں سے زیادہ عبادت گزار کسی اور قوم کو نہیں پایا۔ ان کے ہاتھ اونٹ کے گھٹّوں کی طرح سخت ہو چکے تھے اور ان کے چہرے سجدوں کے اثرات سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا: "مرحبا، اے ابن عباس! آپ کو کس چیز نے یہاں آنے پر آمادہ کیا؟" میں نے کہا: "میں تم سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔ اللہ کی وحی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی، اور وہ اس کے معنی و مراد کو تم سے بہتر جاننے والے ہیں۔"

---

[1] المصدر: مصنف عبد الرزاق (۹/۳۳۵)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: «أَتَيْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَمِنْ عِنْدِ ابْنِ عَمِّ النَّبِيِّ ﷺ وَصِهْرِهِ، وَعَلَيْهِمْ نُزِّلَ الْقُرْآنُ، فَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ مِنْكُمْ، وَلَيْسَ فِيكُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ.»[1]

ترجمہ: "میں تمہارے پاس اس جماعت کی طرف سے آیا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے مہاجر و انصار صحابہ ہیں، اور آپ ﷺ کے چچازاد اور داماد (علی رضی اللہ عنہ) کی طرف سے آیا ہوں۔ قرآن انہی پر نازل ہوا تھا، اس لیے اس کی تفسیر و مراد کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور تمہارے بیچ اصحاب رسول میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں۔"

طبرانی کی روایت کے الفاظ ہیں: «جِئْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ الله ﷺ، نَزَلَ الْوَحْيُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ.»[2]

ترجمہ: "میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا قول سنانے آیا ہوں۔ وحی انہی پر نازل ہوئی تھی، اور وہ اس کے معنی و مراد کو تم سے زیادہ بہتر جانتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں غور فرمائیں، انہوں نے خوارج سے مناظرہ کی ابتدا کرتے ہوئے سب سے پہلے جو دلیل پیش کی وہ یہی تھی کہ صحابہ کرام کے زمانے میں قرآن کا نزول ہوا ہے لہذا انہیں قرآن کی تفسیر کا علم دوسروں سے زیادہ ہے اور میں ان کا فہم تمہیں بتانے آیا ہوں۔

اگر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ مذکورہ آثار میں یہ کہاں مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کو "فہم صحابہ" کے تعلق سے بتایا تھا؟

---

[1] السنن الكبرى للنسائي (۷/ ۴۸۰)

[2] المعجم الكبير للطبراني (۱۰/ ۲۵۷)

تواس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ کے دو جملوں سے یہ استدلال ظاہر ہوتا ہے:

پہلا جملہ: «جِئْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ الله ﷺ.»

ان کا یہ کہنا کہ "میں تمہیں اصحاب رسول کی باتیں سنانے آیا ہوں" اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے خوارج کو صحابہ کرام کا فہم بتایا تھا، کیوں کہ اس بات کا امکان تو نہیں ہے کہ وہ صرف صحابہ کرام کے قصے یا ان کی عام باتیں بتانے آئے ہوں گے، نیز خوارج کو صحابہ کرام کے حالات کا علم پہلے سے تھا، لہذا اصحاب رسول کی باتیں بتانے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد ان اصحاب کا فہم ہی ہے۔

دوسرا جملہ: «وَهُمْ أَعْلَمُ بِتَأْوِيلِهِ.»

اس جملے "صحابہ کرام کو قرآن کی تفسیر کا علم تم سے زیادہ ہے" میں اس بات کی صراحت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کے استدلالات کے بطلان کے لئے فہم صحابہ کو حجت بنایا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فہم صحابہ کی حجیت اس زمانے میں ایسی مضبوط حجت تھی جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کیا جاتا تھا اور ایسا متفق علیہ امر تھا جس کی حجیت پر تمام لوگ متفق تھے، حتی کہ خوارج نے بھی اس کی حجیت پر کوئی اعتراض نہیں جتایا، چنانچہ ان کی اکثریت نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس مناظرے کے بعد توبہ کیا۔ وللہ الحمد۔

آثارِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کا شمار فقہاے صحابہ میں ہوتا ہے۔

شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «خَطَبَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ: وَاللَّهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً، وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنِّي مِنْ أَعْلَمِهِمْ بِكِتَابِ اللَّهِ وَمَا أَنَا بِخَيْرِهِمْ. قَالَ شَقِيقٌ: فَجَلَسْتُ فِي الْحِلَقِ أَسْمَعُ مَا يَقُولُونَ، فَمَا سَمِعْتُ رَادًّا يَقُولُ غَيْرَ ذَلِكَ.»[1]

ہمیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ ستر سے زائد سورتیں سنا ہے، اللہ کی قسم تمام صحابہ یہ جانتے ہیں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں، جبکہ میں ان میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔

شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے متعدّد مجالس میں بیٹھ کر اس امر کی تاکید کی، میں نے کسی ایک کو بھی نہیں پایا جو اس بات کی مخالفت کرے۔

ان کا ایک واقعہ جسے امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے اور جسے بدعت کی تردید میں اصل اور قاعدہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

«عن عمرو بن سلمة قال: كنا نجلس على باب عبد الله بن مسعود قبل صلاة الغداة، فإذا خرج مشينا معه إلى المسجد، فجاءنا أبو موسى الأشعري فقال: أخرج إليكم أبو عبد الرحمن؟ قلنا: لا، فجلس معنا حتى خرج، فلما

[1] «صحيح البخاري» (۴/ ۱۹۱۲)

خرج قمنا إليه جميعا. فقال له أبو موسى: يا أبا عبد الرحمن، إني رأيت في المسجد آنفا أمرا أنكرته، والحمد لله لم أر إلا خيرا. قال: فما هو؟ قال: إن عشت فستراه. رأيت قوما حلقا جلوسا في المسجد، مع كل حلقة رجل، في أيديهم حصى، فيقول: كبروا مائة، فيكبرون مائة، ثم يقول: هللوا مائة، فيهللون مائة، ثم يقول: سبحوا مائة، فيسبحون مائة. فقال ابن مسعود: فماذا قلت لهم؟ قال: ما قلت لهم شيئا، انتظار رأيك. قال ابن مسعود: أفلا أمرتهم أن يعدوا سيئاتهم، وضمنت لهم أن لا يضيع من حسناتهم شيء؟ ثم مشى فمشينا معه حتى أتى حلقة من تلك الحلق، فوقف عليهم فقال: ما هذا الذي أراكم تصنعون؟ قالوا: يا أبا عبد الرحمن، حصى نعدّ به التكبير والتهليل والتسبيح. قال: فعدّوا سيئاتكم، فأنا ضامن أن لا يضيع شيء من حسناتكم. ويحكم يا أمة محمد ﷺ، ما أسرع هلكتكم! هؤلاء أصحاب نبيكم ﷺ متوافرون، وهذه ثيابه لم تبل، وآنيته لم تكسر! والذي نفسي بيده، إنكم لعلى ملة هي أهدى من ملة محمد، أو مفتتحو باب ضلالة! فقالوا: والله يا أبا عبد الرحمن ما أردنا إلا الخير. قال: وكم من مريد للخير لن يصيبه! إن رسول الله ﷺ حدثنا أن قوما يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية.»[1]

ترجمہ: ”عمرو بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز سے پہلے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے، جب وہ گھر سے نکلتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد کی طرف چلتے۔ اسی دوران ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور پوچھا: ”کیا ابو عبدالرحمن باہر آئے؟“ ہم نے کہا: نہیں۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ

[1] سنن الدارمي (۱/۶۸-۷۰)

گئے، اور جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے تو ہم سب ساتھ ہو لیے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: "اے ابو عبدالرحمن! میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسا منظر دیکھا ہے جسے میں برا سمجھتا ہوں، اگرچہ بظاہر مجھے خیر ہی نظر آئی ہے۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "اگر آپ زندہ رہے تو دیکھ لیں گے۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھے ہیں، ہر حلقے میں ایک شخص ہے اور سب کے ہاتھ میں کنکڑیاں ہیں۔ وہ شخص کہتا ہے: سو مرتبہ تکبیر کہو، تو وہ سب سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو مرتبہ لا إلہ إلا اللہ کہو، تو وہ سو مرتبہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو مرتبہ تسبیح کرو، تو وہ سب تسبیح پڑھتے ہیں۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "تو تم نے انہیں کیا کہا؟" ابو موسیٰؓ نے کہا: "میں نے کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے کا انتظار کیا۔" ابن مسعودؓ نے فرمایا: "کاش تم انہیں یہ کہہ دیتے کہ اپنی برائیاں گنو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی!" پھر وہ اٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس پہنچے اور رکے۔ انہوں نے کہا: "یہ کیا ہے جو میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟" انہوں نے کہا: "اے ابو عبدالرحمن! ہم کنکریوں کے ذریعے تکبیر، تہلیل اور تسبیح کی گنتی کرتے ہیں۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سخت لہجے میں فرمایا: "اپنی برائیاں گنو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ تمہاری ہلاکت کتنی جلدی آگئی **اے امتِ محمد ﷺ! ابھی تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، ان کے کپڑے تک پرانے نہیں ہوئے اور ان کے برتن تک ٹوٹے نہیں! خدا کی قسم! یا تو تم محمد ﷺ کی شریعت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، یا تم گمراہی کا ایک دروازہ کھول رہے ہو!**" وہ کہنے لگے: "اللہ کی قسم اے ابو عبدالرحمن! ہم نے تو صرف خیر چاہی تھی۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کتنے ہی خیر چاہنے والے ہیں، مگر خیر تک نہیں پہنچ پاتے! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی تھی کہ ایک قوم قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کی پشت چیر کر نکل جاتا ہے۔"

اسی روایت کے دوسرے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: «وَيْحَكُمْ! يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ! مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ! هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ، أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ!»[1]

"افسوس! اے امتِ محمد ﷺ! کتنی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے! یہ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، ابھی تک نبی اکرم ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے، ان کے برتن ابھی تک ٹوٹے نہیں! خدا کی قسم! یا تو تم محمد ﷺ کی شریعت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، یا تم گمراہی کے ایک دروازے کو کھولنے والے ہو!"

«مَنْ عَرَفَنِي، فَقَدْ عَرَفَنِي، وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي، فَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ، تَعْلَمُونَ إِنَّكُمْ لأَهْدَى مِنْ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وأَصْحَابِهِ، وإِنَّكُمْ لَمُتَعَلِّقُونَ بِذَنَبِ ضَلَالَةٍ.»[2]

"مجھے جاننے والے جانتے ہیں البتہ جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں، سن لو! یا تو تم لوگ محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، یا تم گمراہی کی دم کے ساتھ لٹکنے والے لوگ ہو۔"

مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: «لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عِلْمًا».[3]

---

[1] سنن الدارمي (۱/۶۹)

[2] مصنف عبدالرزاق (۳/۴۹۸)

[3] مصنف عبدالرزاق: (۳/۴۹۸)

”یا تو تم نے ایک تاریک بدعت ایجاد کی ہے، یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اصحاب محمد سے زیادہ علم رکھتے ہو۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ میں ہے: «لَقَدْ فضَلْتُم أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عِلْمًا، أَوْ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، وإِنْ تكُونُوا قَدْ أَخَذْتُمْ بِطَرِيقَتِهِمْ، فَقَدْ سَبَقُوكُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، وإِنْ تكُونُوا خَالَفْتُمُوهُمْ فَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضلالًا بَعِيدًا».[1]

”یا تو تم اصحاب محمد سے زیادہ علم رکھتے ہو یا تم نے تاریک بدعت ایجاد کی ہے۔ اگر تم صحابہ کے طریقہ پر چل رہے ہوتے تو وہ لوگ علم وفضل میں تم سے بہت آگے ہیں، اور اگر تم نے ان کے راستے کی مخالفت کی تو تم بہت دور کی گمراہی میں پڑ گئے ہو۔“

طبرانی کی روایت کے الفاظ ہیں: «وَاللهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ قَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عِلْمًا» ، فَقَالَ مُعضَّدٌ، وَكَانَ رَجُلًا مُفوَّهًا: وَاللهِ مَا جِئْنَا بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ وَلَا فَضَلْنَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: «لَئِنِ اتَّبَعْتُمُ الْقَوْمَ لَقَدْ سَبَقُوكُمْ سَبْقًا مُبِينًا، وَلَئِنْ جُرْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا».[2]

”یا تو تم نے تاریک بدعت ایجاد کی ہے یا تم اصحاب محمد سے زیادہ علم رکھتے ہو“۔ یہ سن کر معضد نامی ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! نہ ہم نے کوئی تاریک بدعت ایجاد کی ہے اور نہ ہی ہم اپنے آپ کو صحابہ کرام سے افضل سمجھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم صحابہ کے طریقہ پر چل رہے ہو تو جان لو کہ وہ

---

[1] مصنف عبد الرزاق: (۴۹۹/۳)

[2] المعجم الكبير للطبراني: (۱۲۶/۹)

لوگ علم وفضل میں تم سے بہت آگے ہیں، اور اگر تم نے ان کے راستے کی مخالفت کی تو تم بہت دور کی گمراہی میں پڑ گئے ہو۔"

اس عظیم اثر کے مختلف الفاظ کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو فہم صحابہ کی حجیت واضح طور سے ثابت ہوتی ہے، بلکہ بعض آثار میں اس امر کی بھی صراحت موجود ہے کہ فہم صحابہ کی مخالفت گمراہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

«تَعْلَمُونَ إِنَّكُمْ لأَهْدَى مِنْ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وأَصْحَابِهِ، وإِنَّكُمْ لَمُتَعَلِّقُونَ بِذَنَبِ ضَلَالَةٍ.» "یا تو تم لوگ محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، یا تم گمراہی کی دم کے ساتھ لٹکنے والے لوگ ہو۔"

«لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عِلْمًا». "یا تو تم نے ایک تاریک بدعت ایجاد کی ہے، یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اصحاب محمد سے زیادہ علم رکھتے ہو۔"

«وإِنْ تَكُونُوا قَدْ أَخَذْتُمْ بِطَرِيقَتِهِمْ، فَقَدْ سَبَقُوكُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، وإِنْ تَكُونُوا خَالَفْتُمُوهُمْ فَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا». "اگر تم صحابہ کے طریقہ پر چل رہے ہوتے تو وہ لوگ علم وفضل میں تم سے بہت آگے ہیں، اور اگر تم نے ان کے راستے کی مخالفت کی تو تم بہت دور کی گمراہی میں پڑ گئے ہو۔"

ان آثار میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہاں ان کی بدعت کی تردید میں یہ دلیل پیش کی کہ یہ عمل نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے وہیں یہ بھی کہا کہ اس عمل کا ثبوت اصحاب رسول ﷺ سے بھی نہیں ملتا۔ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمل صحابہ بھی حجت ہے، کیوں کہ اگر عمل صحابہ حجت نہ ہوتا تو اس جملے کا کوئی فائدہ نہیں کہ "یا تم صحابہ کرام سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو"۔

اب یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، اثر میں جب عمل صحابہ سے استدلال کیا گیا ہے تو ہم اس سے فہم صحابہ کیوں مراد لے رہے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کا عمل ان کے فہم پر مبنی ہوتا ہے، کیوں کہ دلائل تو وہی ہیں جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں، صحابہ کرام نے اپنی جانب سے کوئی دلیل نہیں نکالی۔ لہذا صحابہ کرام اگر کوئی عمل انجام دیتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے نصوص قرآن وحدیث سے سمجھ کر اسے انجام دیا ہے اور اگر کوئی عمل ترک کیا تو وہ بھی ان کے فہم کا ہی نتیجہ ہے۔ اور یہی وہ فہم ہے جس کی حجیت کی طرف اس اثر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

خصوصاً آخری جملے کو دیکھیں، اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے راستے کی اتباع کو اس طرح لازم قرار دیا ہے کہ مخالفت کرنے والوں کو گمراہ قرار دیا۔ اگر فہم صحابہ حجت نہ ہوتا تو اس کی مخالفت پر گمراہی کی وعید نہ ہوتی۔

بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعات سے نجات کا راستہ بتاتے ہوئے فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمْ مُحْدَثَة فَعَلَيْكُمْ بِالْهَدْيِ الْأَوَّلِ».[1]

"جب تم کسی نئی پیدا کی ہوئی چیز (بدعت) کو دیکھو تو لازم ہے کہ سلف کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لو۔"

اس اثر میں "ہدی اول" سے مراد طریق صحابہ ہے، اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ طریق صحابہ سے مراد ان کا فہم ہے۔

---

[1] السنۃ للمروزي: (ص۲۹)

طریق صحابہ کی حجیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ».[1]

"تم اگر کسی کی اقتدا کرنا چاہتے ہو تو صحابہ کرام کی اقتدا کرو، کیوں کہ وہ لوگ اس امت کے سب سے پاکیزہ دل لوگ تھے، ان کا علم تم سب سے زیادہ پختہ اور گہرا تھا، وہ لوگ ہر طرح کے تکلفات سے دور سب سے سیدھی راہ پر گامزن تھے اور سیرت واحوال کے اعتبار سے بھی سب سے بہترین تھے، اس جماعت کو اللہ رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا، لہذا ان کے فضل کو جانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو، کیوں کہ وہ لوگ راہ ہدایت پر قائم تھے۔"

آثارِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

فہم صحابہ کی حجیت کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «خَيْرُ الدِّينِ دِينُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا اتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعوَا فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا مَا اتَّبَعْتُمُ الْأَثَرَ إِنْ تَتَّبِعُونَا فَقَدْ سَبَقْنَاكُمْ سَبْقًا بَعِيدًا **وَإِنْ تُخَالِفُونَا فَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا كَبِيرًا**».[2]

"سب سے بہترین محمد ﷺ کا دین ہے اور سب سے بدترین امر اس دین میں بدعات ایجاد کرنا ہے، اتباع کو لازم پکڑو اور بدعات سے دور رہو۔ جب تک تم سنت کی پیروی لازم پکڑو گے تب تک گمراہی محفوظ رہو

---

[1] «جامع بيان العلم وفضله» (۲/۹۴۷)

[2] «السنة للمروزي» (ص۲۹)

گے۔ اگر ہم صحابہ کی اتباع کی تو یہ یاد رکھو کہ ہم تم سے بہت آگے ہیں، اور اگر تم نے ہماری مخالفت کی تو تم بہت بڑی گمراہی میں پڑجاؤ گے۔"

غور فرمائیں! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک فہم صحابہ کا مقام اتنا بلند تھا اور دین میں اس کی اہمیت اس قدر عظیم تھی کہ مخالفت کرنے والوں پر گمراہی کا حکم صادر فرمایا۔ کیا یہ اور ان جیسے دیگر اقوال صحابہ فہم صحابہ کی حجیت پر واضح دلیل نہیں ہیں۔

اک دوسرے اثر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما طریق صحابہ کی اقتدا کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «من كان مستنا فليستن بمن قد مات، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا خير هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم، ونقل دينه. فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم فهم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم. كانوا على الهدى المستقيم والله رب الكعبة.»[1]

"تم اگر کسی کی اقتدا کرنا چاہتے ہو تو صحابہ کرام کی اقتدا کرو، کیوں کہ وہ لوگ اس امت کے سب سے پاکیزہ دل لوگ تھے، ان کا علم تم سب سے زیادہ پختہ اور گہرا تھا، وہ لوگ ہر طرح کے تکلفات سے دور تھے، اس جماعت کو اللہ رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے اور ان کے لائے ہوئے دین کو آنے والی امت تک پہنچانے کے لیے چنا تھا، لہذا اخلاق میں اور دیگر امور میں ان کی پیروی کرو، کیوں کہ رب کعبہ کی قسم! اصحاب محمد راہ ہدایت پر گامزن تھے۔"

---

[1] «حلية الأولياء وطبقات الأصفياء- ط السعادة» (۱/ ۳۰۵-۳۰۶)

اس اثر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام اور ان کے فہم کی اتباع کے متعدّد دلائل بیان کئے ہیں جنہیں بالترتیب ذکر کیا جارہا ہے۔

پہلی دلیل: «كانوا خير هذه الأمة». صحابہ کی جماعت اس امت کی سب سے بہترین جماعت تھی۔

اس مفہوم کی صحیح حدیث بھی موجود ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ قَرْنِي».[1] "تم میں سے سب بہتر لوگ وہ ہیں جنہوں نے میرا زمانہ پایا۔"

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے سب سے بہتر ہونے کی گواہی نبی اکرم ﷺ نے دی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس جملے سے صحابہ کرام کی اتباع پر استدلال کیا ہے، **لہذا اتباع صحابہ کا حکم نص شرعی سے اور فہم صحابہ سے ثابت ہوا۔**

دوسری دلیل: «أبرها قلوبا». "بڑے نیک دل لوگ تھے۔"

نصوص کتاب وسنت سے اخذ کیے گئے استدلالات کی سلامتی کی بنا انسان کے دل کی سلامتی اور اس پاکیزگی پر ہے اور دل کی سلامتی کی گواہی صرف اللہ رب العالمین اور نبی اکرم ﷺ ہی دے سکتے ہیں اور اس روئے زمین پر صرف ایک جماعت ہے جس کے دل کی سلامتی کی گواہی اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: اللہ ان صحابہ سے راضی ہوا اور صحابہ کرام اللہ رب العالمین سے راضی ہو گئے۔

---

[1] «صحيح البخاري» (۲/۹۳۸)

وجہ استدلال یہ ہے رضامندی کا تعلق دل سے ہوتا ہے جس کا اظہار زبان کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اور اس آیت میں اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام کے دل کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ دل سے اپنے رب سے راضی ہیں۔

اللہ اکبر! کتنی عظیم بشارت ہے اور کتنے عظیم لوگ تھے جنہوں نے اپنے دل، زبان اور اعمال کے ذریعہ اللہ رب العالمین کو راضی کر لیا۔ ہے کوئی جماعت جو ان کے مثل ہو؟ ہے کوئی ایسا جس کے دل کی سلامتی کی گواہی میں اللہ رب العالمین نے اپنا کلام نازل کیا ہو؟

کیا اتنے عظیم اور پاکیزہ دل لوگوں کا فہم ہمارے فہم سے بہتر نہیں ہوگا؟ کیا یہ دلیل ان کے فہم کی حجیت کے لیے کافی نہیں ہے؟

یقیناً کافی ہے، اور اسی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فہم صحابہ کے اتباع کی دلیل لی ہے۔

تیسری دلیل: «وأعمقها علما». ان کا علم سب سے زیادہ پختہ اور گہرا تھا۔

فہم صحیح کی بنیاد پختہ علم پر ہوتی ہے، علمی ناپختگی اور کمزوری فہم سقیم بلکہ منحرفانہ افکار کو جنم دیتا ہے، گمراہ لوگوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، ان کی گمراہی میں علمی کمزوری کتنا بڑا کردار ادا کیا۔ بطور مثال خوارج کو دیکھیں، ان میں سے اکثریت کی گمراہی کا سبب یہی علمی کمزوری تھا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے اشکالات کا علمی جواب دیا تو ان کی اکثریت نے توبہ کر لیا۔

لہذا علم کا پختہ ہونا استدلال کو صحیح راہ دیتا ہے اور اس امت میں صحابہ کرام سے زیادہ پختہ علم کوئی بھی نہیں، چنانچہ ان کے فہم سے زیادہ درست فہم کسی اور کا ہونا ناممکن ہے۔ سی سبب سے فہم صحابہ دیگر تمام لوگوں کے فہم پر مقدم اور دین میں حجت ہے۔

چوتھی دلیل: «وأقلها تكلفا».

ان کے اندر کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں تھا۔

سب سے پہلے یہ سمجھیں کہ تکلف کسے کہتے ہیں؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ: اللَّهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ اللَّهُ أَعْلَمُ، قَالَ اللَّهُ عز وجل لِنَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم: {قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ}.»[1]

لوگو! جس چیز کے متعلق آپ علم رکھتے ہیں اس کے بارے میں گفتگو کریں اور جس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے وہاں یہ کہیں: اللہ اعلم۔ کیوں کہ جس چیز کا آپ علم نہیں رکھتے ہیں اس کے بارے میں اللہ اعلم کہنا بھی علم میں داخل ہے۔ اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے کہا: "آپ کہہ دیجیے کہ میں دعوت کے اس کام پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف اختیار کرنے والوں میں سے ہوں"۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ اس آیت {وما أنا من المتكلفين} کی تفسیر میں فرماتے ہیں: « وكل من قال شيئًا من تلقاء نفسه فقد تكلف».

ہر وہ شخص جو (دینی امور میں) اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے وہ تکلف اختیار کرنے والوں میں سے ہے۔[2]

---

[1] «صحيح البخاري» (۴/۱۸۱۰)

[2] «إرشاد الساري إلى شرح صحيح البخاري» (۱۱/۲۱)

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «ومن ذلك التَّكلف في كونه يتكلم بما لا يعلم: يُفتي بما لا يعلم، أو يمدح ما لا يعلم، أو يذمّ ما لا يعلم، كل هذا من التكلف، بل يكون كلامه على بصيرةٍ، ومدحه على بصيرةٍ، وذمّه على بصيرة، وإلا فليحذر وليتوقف».

تکلف کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان بلاعلم کسی مسئلے میں گفتگو کرے، مثلاً: علم نہ ہونے کے باوجود فتوی بازی کرے، کسی کے بارے میں جانے بغیر اس کی تعریف یا مذمت کرے۔ یہ تمام امور تکلف میں داخل ہیں۔ انسان پر واجب یہ ہے کہ پہلے علم حاصل کرے پھر گفتگو کرے اسی طرح کسی کی تعریف یا مذمت کرے تو علم کی بنیاد پر کرے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔

پانچویں دلیل: «قوم اختارهم الله لصحبة نبيه صلى الله عليه وسلم، ونقل دينه». اس جماعت کو اللہ رب العالمین نے اپنی نبی کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا اور انہیں محمد ﷺ پر نازل دین حنیف کے نقل کرنے کے لیے چنا۔

اللہ رب العالمین نے محمد ﷺ پر نازل کیے گئے دین کو بعد کے لوگوں تو پہنچانے کے لیے صحابہ کرام کی جماعت کا انتخاب فرمایا اور انہیں اس عظیم کام کے لیے قابل اعتماد سمجھا۔ کلام اللہ کے نقل کرنے، آیات کی تفسیر میں، شان نزول، ناسخ و منسوخ، کون سی آیت کا کیا مفہوم ہے اور کون سا استدلال صحیح اور کون سا باطل ہے، ان تمام امور کے پہنچانے میں صحابہ کرام پر کامل اعتماد کیا۔

نیز احادیث رسول کی تبلیغ میں، آپ ﷺ کے قول و فعل اور اخلاق وغیرہ کو نقل کرنے میں انہی صحابہ کرام پر اعتماد کیا۔ یہ اعتماد کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کی اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب مبتدعین کا ظہور ہوا اور طرح طرح کے استدلالات نے جنم لیے، مصادر میں کسی نے کوئی تبدیلی تو نہ کہ البتہ نصوص کا

ایک نیا فہم تراشا۔ اب ایسی صورت حال میں اگر فہم صحابہ معتبر اور حجت نہ ٹھہرتا تو عین ممکن تھا کہ کلام اللہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتے ہوئے بھی دین تغیر و تبدل کا شکار ہو جاتا، چنانچہ صحابہ کرام نے اسی زمانے میں اہل بدعت کی گمراہیوں کو واضح کرنے کے لئے اپنے فہم کو حجت بنایا جس کا بیان اوپر گزرا، ساتھ اس کی بھی صراحت کی کہ فہم صحابہ کی مخالفت کرنے والا گمراہ ہے۔

گویا نقل دین میں صرف نصوص کے الفاظ نہیں بلکہ ان کا فہم بھی شامل ہے اور اللہ رب العالمین نے صحابہ کرام پر کتاب و سنت کے نصوص کی تبلیغ کے ساتھ ان کے معانی کے بیان میں بھی اعتماد کیا، لہذا فہم صحابہ کی حجیت سے انکار یا اس پر شکوک کا اظہار وہی کر سکتا ہے جسے صحابہ کرام کی صداقت پر شک ہے۔ أعوذ بالله من السفه والجهل.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول اثر:

حذیفہ رضی اللہ فرماتے ہیں: «قَالَ حُذَيْفَةُ: "اتَّقُوا اللَّهَ مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ، وَخُذُوا طَرِيقَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَوَاللَّهِ لَئِنِ اسْتَقَمْتُمْ لَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، وَلَئِنْ تَرَكْتُمُوهُ شِمَالًا وَيَمِينًا ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا، أَوْ قَالَ: مُبِينًا"».[1]

"اے قُرّاء کی جماعت! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنے سلف صالحین کی راہ پر چلو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے استقامت کے ساتھ ان کی اتباع کی تو تم (خیر) میں بہت آگے بڑھ جاؤ گے اور اگر تم نے انہیں چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا تو تم بڑی دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ یا یہ کہا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فہم صحابہ کی حجیت کو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے جن الفاظ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔

---

[1] «السنة للمروزي» (ص ۳۰)

کیا مذکورہ تمام اقوال اس پر دلالت نہیں کرتے کہ فہم صحابہ کی حجیت پر صحابہ کرام کا اجماع تھا؟ بلکہ ان کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے فہم سے انحراف انسان کو گمراہی میں لے جائے گا۔

یقیناًفہم صحابہ کی حجیت باجماع صحابہ ثابت ہے اور اس کی حجیت کا منکر بدعتی اور گمراہ ہے جو دین میں الحاد کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے، جیساکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔(ان کا قول اگلے صفحات میں بیان کیا جائے گا۔ان شاءاللہ)۔

فہم صحابہ کی حجیت بعد کے ادوار میں اہل سنت کے علما کے مابین ایک متفق علیہ امر تھا۔ بطور نمونہ چند مثال ملاحظہ فرمائیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا فرمان:

عن عَبْد ربه قَالَ: كُنَّا عنْدَ الْحسن في مَجْلس، فَذَكَر كَلَاما، وذَكَر أَصحاب النَّبِي صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: «أُولَئكَ أَصحاب مُحَمَّد كَانُوا أَبرَّ هذه الْأُمَّة قُلُوبا، وأَعمقها علْما، وأَقَلَّها تَكَلُّفًا، قَوم اختارهم الله عز وجل لصحبة نبيه، وإقامة دينه، فتشبَّهوا بأَخْلَاقهم وطَرَائقهم، فَإِنَّهُم كَانُوا وربِّ الْكَعْبَة علَى الْهَدْيِ الْمستقيم».[1]

عبد ربہ کہتے ہیں کہ ہم حسن بصری کی مجلس میں بیٹھے ہوئے، انہوں کسی بات پر صحابہ کرام کا ذکر جمیل کرتے ہوئے فرمایا: ”تم اگر کسی کی اقتدا کرنا چاہتے ہو تو صحابہ کرام کی اقتدا کرو، کیوں کہ وہ لوگ اس امت کے سب سے پاکیزہ دل لوگ تھے، ان کا علم تم سب سے زیادہ پختہ اور گہرا تھا، وہ لوگ ہر طرح کے تکلفات سے دور تھے، اس جماعت کو اللہ رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے اور ان کے

[1] «الشريعة للآجري» (۴/۱۶۸۵)

لائے ہوئے دین کو آنے والی امت تک پہنچانے کے لیے چنا تھا، لہذا اخلاق میں اور دیگر امور میں ان کی پیروی کرو، کیوں کہ رب کعبہ کی قسم! اصحاب محمد راہ ہدایت پر گامزن تھے۔"

امام شعبی رحمہ اللہ کا قول:

«مَا حَدَّثُوكَ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَخُذْ بِهِ، وَمَا قَالُوا بِرَأْيِهِمْ فَبُلْ عَلَيْهِ.»[1]

"جو باتیں تمہیں صحابہ کرام سے مل رہی ہیں انہیں لے لو اور جو شخص اپنی رائے پیش کرے اس پر پیشاب کردو۔"

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا فرمان:

امام اوزاعی رحمہ اللہ کے زمانے میں جب ایک شخص سے کسی ایک ایسا سوال کیا جو پہلے سلف کے زمانے میں نہیں پوچھا گیا تھا تو آپ نے سب سے پہلے اس سوال پر بدعت کا حکم لگایا پھر فرمایا: «لَوْ كَانَ هَذَا خَيْرًا مَا خُصصْتُمْ بِهِ دُونَ أَسْلَافِكُمْ، فَإِنَّهُ لَمْ يُدَّخَرْ عَنْهُمْ خَيْرٌ خُبِّئَ لَكُمْ دُونَهُمْ لِفَضْلٍ عِنْدَكُمْ، وَهُمْ أَصْحَابُ نَبِيِّنَا عليه الصلاة والسلام، وَالَّذِينَ اخْتَارَهُمُ اللَّهُ عز وجل، وَبَعْثَهُ فِيهِمْ، وَوَصَفَهُ بِهِمْ فَقَالَ جَلَّ وَعَلَا: {مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ} [الفتح: ٢٩] إِلَى آخِرِ السُّورَةِ».

[1] «مصنف عبد الرزاق» (١٠/ ٢٩٠ ط التأصيل الثانية)

”اگر یہ کام خیر ہوتا تو سلف صالحین کو چھوڑ کر خصوصی طور پر تمہیں نہیں ملتا، کیونکہ کوئی ایسا خیر نہیں جو تمہارے لیے خاص کر کے رکھا گیا ہو اور تمہارے اسلاف سے روک لیا گیا ہو—جبکہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے صحابہ تھے، جنہیں اللہ نے چنا، جن میں نبی ﷺ کو مبعوث کیا، اور جن کی تعریف یوں فرمائی: {محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت، آپس میں نہایت رحم دل ہیں؛ تم انہیں رکوع و سجود کرتے دیکھتے ہو، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات نمایاں ہیں۔}“

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول:

عن أبي الصّلت، قال: كتب رجل إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن القدر، فكتب: «أمّا بعد؛ أوصيك بتقوى الله، والاقتصاد في أمره، واتّباع سنّة نبيّه صلى الله عليه وسلم، وترك ما أحدث المحدثون بعد ما جرت به سنّته، وكفوا مئونته، فعليك بلزوم السّنّة فإنّها لك بإذن الله عصمة، ثمّ اعلم أنّه لم يبتدع النّاس بدعة، إلّا قد مضى قبلها ما هو دليل عليها، أو عبرة فيها؛ فإنّ السّنّة إنّما سنّها من قد علم ما في خلافها من الخطأ، والزّلل، والحمق، والتّعمّق، فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم؛ فإنّهم على علم وقفوا، وببصر نافذ كفّوا، وهم على كشف الأمور كانوا أقوى، وبفضل ما كانوا فيه أولى، **فإن كان الهدى ما أنتم عليه لقد سبقتموهم إليه. ولئن قلتم: إنّما حدث بعدهم. ما أحدثه إلّا من اتّبع غير سبيلهم، ورغب بنفسه عنهم؛ فإنّهم هم السّابقون، فقد تكلّموا فيه بما يكفي، ووصفوا منه ما يشفي، فما دونهم من**

مقصر، وما فوقهم من محسر، وقد قصّر قوم دونهم فجفوا، وطمح عنهم أقوام فغلوا، وإنّهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم»۔[1]

ابوالصّلت رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں اس تقدیر کی بابت سوال کیا تھا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"امابعد! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، اس کے حکم میں میانہ روی اختیار کرنے، نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے، اور اُن بدعات کو چھوڑ دینے کی وصیت کرتا ہوں جنہیں لوگوں نے اُس کے بعد گھڑ لیا، جبکہ نبی ﷺ کی سنت جاری ہو چکی تھی اور بدعات ایجاد کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تم پر لازم ہے کہ سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھو، کیونکہ باذن اللہ اسی میں تمہارے لیے نجات ہے۔ پھر جان لو کہ لوگوں نے جتنی بھی بدعات ایجاد کی ہیں ان کے خلاف پہلے سے دلیل موجود ہوتی ہے یا کوئی عبرتناک واقعہ موجود ہوتا ہے؛ کیونکہ سنت تو ان لوگوں کی قائم کردہ ہے جو اس کے برخلاف امور میں پائے جانے والی غلطی، لغزش، بے وقوفی اور غلو پسندی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لہٰذا اصحابہ کرام کے طریقہ کو اختیار کر کے راضی ہو جاؤ، کیونکہ وہ علم شرعی سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، کسی معاملہ میں توقف اختیار کرتے تھے تو مکمل بصیرت کے ساتھ توقف اختیار کرتے تھے اور معاملات کی حقیقت کو سمجھنے میں وہ ہم سے زیادہ قوی تھے اور فضیلت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ بہتر تھے۔ اگر واقعی ہدایت وہی ہوتی جس پر آج تم ہو تو گویا کہ تم ان سے سبقت لے گئے ہو! اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ چیزیں تو ان کے بعد پیدا ہوئیں، تو جان لو کہ انہیں صرف اسی شخص نے ایجاد کیا جس نے صحابہ کے راستے کو ترک کر کے دوسری راہ اختیار کر لی اور اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھا؛ حالانکہ صحابہ ہی سبقت والے ہیں۔ انہوں نے دین کی ایسی توضیح بیان کر دی جو کافی و شافی ہے اور ایسا احکام شرعیہ کو اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جو قلب کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ نہ تو ان سے کم رہنے والا کامیاب ہے اور نہ ہی ان سے آگے

---

[1] أبو داود (٤٦١٢). وقال الألباني (٣/ ٨٧٣): صحيح مقطوع.

بڑھ جانے والا بچ سکا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کوتاہی کرکے پیچھے رہ گیا تو وہ جفا کے شکار ہو گئے اور ایک گروہ نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو وہ غلو میں پڑ گئے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ (صحابہ و تابعین) سیدھی راہ اور صراط مستقیم پر قائم تھے۔"

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «سنّ رسول اللَّه صلى الله عليه وسلم وولاة الأمور بعده سنناً، الأخذ بها اتباع لكتاب اللَّه، واستكمال بطاعة اللَّه، وقوة على دين اللَّه، ليس لأحد تغييرها، ولا تبديلها، ولا النظر في شيء خالفها، من اهتدى بها فهو مهتد، ومن استنصر بها فهو منصور، ومن تركها اتبع غير سبيل المؤمنين، وولّاه اللَّه ما تولّى، وأصلاه جهنم، وساءت مصيراً».[1]

"رسول اللہ ﷺ نے سنتیں قائم کیں، اور آپ کے بعد حکمرانوں نے بھی ان ہی سنتوں پر چلتے ہوئے طریقے جاری کیے، ان کو لازم پکڑنا کتاب اللہ کی اتباع ہے اور اطاعت الٰہی کی تکمیل ہے اور دین پر استقامت میں مضبوط ہونا ہے۔ کسی کے لیے اس میں تبدیلی کرنا یا ان کے خلاف کسی چیز میں غور کرنا جائز نہیں ہے۔ جو ان سنتوں پر چلتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے، جو ان کے ذریعے مدد چاہتا ہے وہ مدد یافتہ ہے، اور جس نے انہیں چھوڑ دیا وہ مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راہ کی پیروی کرتا ہے؛ اللہ اسے اسی کے حال پر چھوڑ دیتا ہے جس کی طرف وہ مائل ہوا، اور اسے جہنم میں داخل کرتا ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے۔"

[1] «موطأ مالک ـــــ رواية يحيى» (۱/۲۵۱-۲۵۲ ـــ الأعظمي)

انہی الفاظ کے ساتھ یہ قول عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے جسے امام آجری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الشریعہ" میں بیان کیا ہے۔[۱]

امام شاطبی رحمہ اللہ کا فرمان:

«فالقرآن إنّما هو المتبوع على الحقيقة، وجاءت السّنّة مبيّنة له، فالمتّبع للسّنّة متّبع للقرآن. والصّحابة كانوا أولى النّاس بذلك، فكلّ من اقتدى بهم فهو من الفرقة النّاجية الدّاخلة للجنّة بفضل الله، وهو معنى قوله عليه الصلاة والسلام «ما أنا عليه وأصحابي».[۲]

"قرآن ہی اصل میں وہ کتاب ہے جس کی پیروی لازم ہے، جس کی تفسیر سنت میں آئی ہے؛ لہٰذا جو سنت کی پیروی کرتا ہے، وہ حقیقت میں قرآن ہی کی پیروی کرتا ہے۔ صحابہ اس پیروی میں سب سے بڑھ کر تھے، اس لیے جو شخص ان کی اقتدا اختیار کرے، وہ اللہ کے فضل سے نجات پانے والے گروہ میں شامل ہے جو جنت میں داخل ہوگا۔ اور یہی مفہوم ہے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا: وہ راستہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔"

اپنی کتاب الموافقات میں فرماتے ہیں: «الحذرَ الحذرَ مِنْ مُخَالَفَةِ الْأَوَّلِينَ! فَلَوْ كَانَ ثَمَّ فَضْلٌ [مَا]؛ لَكَانَ الْأَوَّلُونَ أَحَقَّ بِهِ، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ.»[۳]

---

[۱] «الشريعة للآجري» (۱/۴۰۸)

[۲] الاعتصام للشاطبي (۲/۲۵۲)

[۳] «الموافقات» (۳/۲۸۰)

خبردار! سلف صالحین کے طریقے کی مخالفت سے بچو۔ کیونکہ اگر ان طریقوں کے علاوہ کسی نئے راستے میں کوئی فضیلت ہوتی، تو سب سے زیادہ حق دار وہی اولین لوگ ہوتے۔ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ۔

مزید فرمایا: «وَمَا تَوَهَّمَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْ أَنَّهُ دَلِيلٌ عَلَى مَا زَعَمُوا لَيْسَ بِدَلِيلٍ عَلَيْهِ أَلْبَتَّةَ؛ إِذْ لَوْ كَانَ دَلِيلًا عَلَيْهِ؛ لَمْ يَعْزُبْ عَنْ فَهْمِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ ثُمَّ يَفْهَمُهُ هَؤُلَاءِ».[1]

"اور جسے بعض متأخرین نے اپنے دعووں کے لیے دلیل سمجھ لیا ہے، حقیقت میں وہ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، کیونکہ اگر واقعی اس میں کسی قسم کی کوئی دلالت ہوتی دلیل ہوتی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی نص کا کوئی فہم صحابہ اور تابعین سے تو مخفی رہ جائے اور بعد والوں کو سمجھ میں آجائے؟"

ایک اور مقام پر فرمایا: «فَكُلُّ مَنْ خَالَفَ السَّلَفَ الْأَوَّلِينَ فَهُوَ عَلَى خَطَأٍ، وَهَذَا كَافٍ.»[2]

"لہٰذا جو شخص سلفِ صالحین کی مخالفت کرے وہ خطا پر ہے، اور یہی کافی ہے (اس کے رد کے لیے)۔"

الموافقات میں ہی مصالح مرسلہ اور بدعت میں تفریق بیان کرتے ہوئے اور اس باب میں اہل بدعت کے مغالطہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «وَاسْتِدْلَالُ كُلِّ مَنِ اخْتَرَعَ بِدْعَةً أَوِ اسْتَحْسَنَ مُحْدَثَةً لَمْ تَكُنْ فِي السَّلَفِ الصَّالِحِ، بِأَنَّ السَّلَفَ اخْتَرَعُوا أَشْيَاءَ لَمْ تَكُنْ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَكَتْبِ الْمُصْحَفِ، وَتَصْنِيفِ

---

[1] «الموافقات» (۳/۲۸۰)

[2] «الموافقات» (۳/۲۸۱)

الْكُتُبِ، وَتَدْوِينِ الدَّوَاوِينِ، وَتَضْمِينِ الصُّنَّاعِ، وَسَائِرِ مَا ذَكَرَ الْأُصُولِيُّونَ فِي أَصْلِ الْمَصَالِحِ الْمُرْسَلَةِ؛ فَخَلَطُوا وَغَلِطُوا، واتبعوا ما تَشَابَهَ مِنَ الشَّرِيعَةِ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهَا، وَهُوَ كُلُّهُ خَطَأٌ عَلَى الدِّينِ، وَاتِّبَاعٌ لِسَبِيلِ الْمُلْحِدِينَ؛ فَإِنَّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَدْرَكُوا هَذِهِ الْمَدَارِكَ، وَعَبَرُوا عَلَى هَذِهِ الْمَسَالِكِ؛ إِمَّا أَنْ يَكُونُوا قَدْ أَدْرَكُوا مِنْ فَهْمِ الشَّرِيعَةِ مَا لَمْ يفهمه الأولون، وحادوا عَنْ فَهْمِهَا وَهَذَا الْأَخِيرُ هُوَ الصَّوَابُ إِذِ الْمُتَقَدِّمُونَ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ هُمْ كَانُوا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، وَلَمْ يَفْهَمُوا مِنَ الْأَدِلَّةِ الْمَذْكُورَةِ وَمَا أَشْبَهَهَا إِلَّا مَا كَانُوا عَلَيْهِ، وَهَذِهِ الْمُحْدَثَاتُ لَمْ تَكُنْ فِيهِمْ، وَلَا عَمِلُوا بِهَا؛ فَدَلَّ عَلَى أَنَّ تِلْكَ الْأَدِلَّةَ لَمْ تَتَضَمَّنْ هَذِهِ الْمَعَانِيَ الْمُخْتَرَعَةَ بِحَالٍ، وَصَارَ عَمَلُهُمْ بِخِلَافِ ذَلِكَ دَلِيلًا إِجْمَاعِيًّا عَلَى أَنَّ هَؤُلَاءِ فِي استدلالاتهم وَعَمَلِهِمْ مُخْطِئُونَ وَمُخَالِفُونَ لِلسُّنَّةِ. فَيُقَالُ لِمَنِ اسْتَدَلَّ بِأَمْثَالِ ذَلِكَ: هَلْ وُجِدَ هَذَا الْمَعْنَى الَّذِي اسْتَنْبَطْتَ فِي عَمَلِ الْأَوَّلِينَ أَوْ لَمْ يُوجَدْ؟ فَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ -وَلَا بُدَّ مِنْ ذَلِكَ- فَيُقَالُ لَهُ: أَفَكَانُوا غَافِلِينَ عَمَّا تَنَبَّهْتَ لَهُ أَوْ جَاهِلِينَ بِهِ، أَمْ لَا؟ وَلَا يَسَعُهُ أَنْ يَقُولَ بِهَذَا؛ لِأَنَّهُ فَتْحٌ لِبَابِ الْفَضِيحَةِ عَلَى نَفْسِهِ، وَخَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ، وَإِنْ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عَارِفِينَ بِمَآخِذِ هَذِهِ الْأَدِلَّةِ، كَمَا كَانُوا عَارِفِينَ بِمَآخِذِ غَيْرِهَا؛ قِيلَ لَهُ: فَمَا الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَاهَا عَلَى زَعْمِكَ حَتَّى خَالَفُوهَا إِلَى غَيْرِهَا؟ مَا ذَاكَ إِلَّا لِأَنَّهُمُ اجْتَمَعُوا فِيهَا عَلَى الْخَطَأِ دُونَكَ أَيُّهَا الْمُتَقَوِّلُ، وَالْبُرْهَانُ الشَّرْعِيُّ وَالْعَادِيُّ دَالٌّ عَلَى عَكْسِ الْقَضِيَّةِ، فَكُلُّ مَا جَاءَ مُخَالِفًا لما عليه السلف الصلاح؛ فَهُوَ الضَّلَالُ بِعَيْنِهِ.»[1]

---

[1] «الموافقات» (٣/٢٨١)

”اور ہر وہ شخص کسی بدعت کے احداث میں یا کسی بدعت کی تحسین میں اس امر سے استدلال کرتا ہے کہ سلف صالحین نے بھی بہت سارے ایسے امور انجام دیے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوا تھا، جیسے: مصحف کی کتابت، کتابوں کی تصنیف، دیوان کی ترتیب اور صنعت کاروں کو ضامن ٹھہرانے کا قانون اور وہ تمام چیزیں جنہیں علماے اصول نے مصالح مرسلہ کے تحت ذکر کیا ہے — ایسے لوگوں نے امور کو خلط ملط کر دیا، غلطی کی، اور دین میں متشابہ چیزوں کے پیچھے لگ کر فتنہ انگیزی اور غلط معنی تراشی کا راستہ اختیار کیا؛ اور یہ سب دین کے خلاف ہے اور ملحدین کے طریقے کی پیروی ہے۔

کیونکہ جو لوگ اس قسم کے استدلالات کرتے ہیں، یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے شریعت کے وہ معانی پا لیے جو سلف کو نہ مل سکے — اور یہ باطل ہے — یا پھر یہ کہ وہ سلف کے فہم سے ہٹ گئے، اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ سلف صالح ہی صراطِ مستقیم پر تھے، اور مذکورہ دلائل سے انہوں نے وہی معانی سمجھے جو ان کے عمل سے ظاہر ہے۔ یہ نئی پیدا شدہ باتیں نہ ان کے ہاں تھیں، نہ انہوں نے ان پر عمل کیا؛ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ وہ دلائل ان من گھڑت معانی پر ہرگز دلالت نہیں کرتے۔

سلف کا ان پر عمل نہ کرنا درحقیقت اس بات پر اجماعی دلیل ہے کہ ایسے متأخر مستدلین اپنے استدلالات میں غلطی پر ہیں اور سنت کے مخالف ہیں۔

لہٰذا ایسے شخص سے کہا جائے گا جو اس طرح کے استدلالات لاتا ہے: کیا تمہارا یہ نکالا ہوا مفہوم سلف کے عمل میں پایا گیا ہے؟ اگر وہ یہ مانتا ہے کہ نہیں پایا گیا — اور اسے یہی ماننا ہوگا — تو اس سے پوچھا جائے گا: کیا سلف اس مفہوم سے غافل تھے، جس پر تم متنبہ ہوئے، یا وہ اس سے جاہل تھے؟ یقیناً وہ ان دونوں میں سے کسی بھی بات کا اقرار نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسا کہنا خود اپنے آپ پر فضیحت کا باب کھولنا ہے اور اجماع کو توڑنا ہے۔

اور اگر وہ کہے کہ سلف ان دلائل کے معانی و مفہوم سے واقف تھے جیسے کہ وہ دیگر دلائل سے واقف تھے، تو اس سے پوچھا جائے گا: پھر یہ بتاؤ کہ انہوں ان دلائل پر اسی طرح کیوں نہیں عمل کیا جیسا کہ تم نے سمجھا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ تمام صحابہ کرام بالاجماع خطا کے شکار ہوئے اور صرف تم صحیح ٹھہرے! حالانکہ شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل اس کے الٹ ثابت کرتے ہیں۔ پس جو بھی سلف صالح کے طریقے کے خلاف کوئی نئی بات لے کر آئے، وہ سراسر گمراہی ہے۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فرمان:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو فہم صحابہ کی حجیت پر سوال اٹھاتے ہیں: «مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ أَوْ الْحَدِيثَ وَتَأَوَّلَهُ عَلَى غَيْرِ التَّفْسِيرِ الْمَعْرُوفِ عَنْ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَى اللَّهِ مُلْحِدٌ فِي آيَاتِ اللَّهِ مُحَرِّفٌ لِلْكَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَهَذَا فَتْحٌ لِبَابِ الزَّنْدَقَةِ وَالْإِلْحَادِ وَهُوَ مَعْلُومُ الْبُطْلَانِ بِالِاضْطِرَارِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ.»[1]

" جس کسی نے قرآن و حدیث کی ایسی تفسیر کی جو صحابہ اور تابعین کے زمانے میں معروف نہیں تھی تو ایسا شخص اللہ رب العالمین پر جھوٹ باندھنے والا، قرآن کی آیات میں الحاد کرنے والا اور کلام الٰہی کی باطل تاویل کرکے اس میں تحریف کرنے والا ہے۔ ایسا کرنا زندیقیت اور الحاد کا دروازہ کھولنا ہے اور دین اسلام میں اس کا بطلان معلوم بالضرورہ ہے۔"

---

[1] مجموع الفتاوی (۱۳/ ۲۴۳)

دوسرے اعتراض کا جواب:

نصوص کی تفسیر میں اگر صحابہ کے مابین اختلاف ہوجائے تو کیا فہم صحابہ کی حجیت ساقط ہوجاتی ہے؟

اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام اگر کسی نص قرآنی یا حدیث رسول کا کوئی مفہوم بیان کریں اور تمام صحابہ کے نزدیک وہ مفہوم متفق علیہ ہو تو اس کی مخالفت کرنا گمراہی ہے۔

نیز اگر کسی ایک صحابی سے کسی نص شرعی کے مفہوم میں کوئی قول یا عمل منقول ہو اور بقیہ صحابہ نے اس پر نکیر نہیں کی ہو تو یہ فہم بھی مجمع علیہ فہم کہلاتی ہے۔ کیوں کہ اگر اس میں کوئی خطا ہوتی تو کسی ایک صحابی سے بھی کم از کم اس پر نکیر ثابت ہوتی۔

اگر کسی نص کے فہم میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف ہوجائے تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں[1]:

پہلی صورت: اس اختلاف کا تعلق کسی اجتہادی مسئلے سے ہو۔ ایسی صورت میں حدیث کا دونوں فہم درست ہوگا اور کسی ایک فہم پر نکیر کرنا درست نہیں ہوگا۔

---

[1] فہم سلف (نصوص وحیین کے فہم میں) میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس میں سب سے پہلے یہ یاد رکھا جائے کہ:

- اعتقادی مسائل میں سلف کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔
- عقیدے کی جزئیات کا اختلاف اصول الاعتقاد میں اختلاف کو لازم نہیں ہے۔
- فقہی مسائل میں اگر صحابہ کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو اس کا دو میں سے کوئی ایک سبب ہوگا:

1. اختلاف کی بنیاد دلائل کا مختلف ہونا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر دونوں میں جمع ممکن ہو تو جمع کیا جائے گا، یا پھر اقوی اور زیادہ صریح دلیل قبول کی جائے گی۔

2. اختلاف کی بنیاد فہم کا اختلاف ہوگا، تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ دونوں فہم میں جمع کی صورت ہے یا نہیں، اگر جمع کی صورت ہوگی تو الحمد للہ، ورنہ ترجیحی بنیادوں پر ایک فہم پر عمل کیا جائے گا۔ بسا اوقات دلائل اپنی قوت اور صریح وغیر صریح ہونے کے اعتبار سے ایک مرتبہ پر ہوں گے، ایسی صورت میں دونوں فہم حجت مانا جائے گا۔ البتہ ایک اہم نکتہ یہ یاد رہے کہ جن مسائل میں سلف کے درمیان اختلاف ہے وہ بہت تھوڑے ہیں، اور منحرفین انہی چند مسائل کو بنیاد بنا کر دیگر تمام مجمع علیہ مسائل کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یونس بن عبد الاعلی رحمہ کا بیان ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إِذَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ، صلى الله عليه وسلم أَقَاوِيلُ مُخْتَلِفَةٌ يُنْظَرُ إِلَى مَا هُوَ أَشْبَهُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ بِهِ» قُلْتُ: فَإِنْ تَعَذَّرَ ذَلِكَ مِنْ نَصِّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَوْ أَحَدِهِمَا اعْتُبِرَتْ أَقَاوِيلُهُمْ مِنْ جِهَةِ الْقِيَاسِ ، فَمَنْ شَابَهُ قَوْلُهُ أَصْلًا مِنَ الْأُصُولِ أُلْحِقَ بِهِ.[1]

"صحابہ کرام کے اقوال اگر آپس میں مختلف فیہ ہوں تو ان میں سے اس پر عمل کیا جائے گا جو سنت کے زیادہ قریب ہو، یونس بن عبد الاعلی کہتے ہیں: اگر کتاب وسنت کے دلائل کسی بھی قول کی تائید میں موجود نہ ہوں تو اصول اور قیاس کو دیکھا جائے گا، چنانچہ جس کا قول اصول شرعیہ میں سے کسی اصل کے قریب ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔"

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِذَا اخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ تَخَيَّرَ مِنْ أَقْوَالِهِمْ مَا كَانَ أَقْرَبَهَا إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَلَمْ يَخْرُجْ عَنْ أَقْوَالِهِمْ، فَإِنْ لَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُ مُوَافَقَةُ أَحَدِ الْأَقْوَالِ حَكَى الْخِلَافَ فِيهَا وَلَمْ يَجْزِمْ بِقَوْلٍ.[2]

"جب صحابہ کرام میں کسی مسئلے میں متعدّد اقوال منقول ہوں تو ان میں سے وہ قول لیا جائے گا جو کتاب وسنت کے دلائل سے زیادہ قریب ہو، مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلا جائے گا۔ اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملی جس کی بنا پر کسی قول کو راجح قرار دیتا تو اختلاف بیان کرنے پر اکتفا کرے گا اور کسی قول کو راجح قرار نہیں دے گا۔"

---

[1] «الفقيه والمتفقه - الخطيب البغدادي» (۱/ ۴۴۰)

[2] إعلام الموقعين عن رب العالمين (۱/ ۲۵)

دوسری صورت: اس اختلاف کا تعلق کسی مختلف فیہ مسئلے سے ہو۔ ایسی صورت میں دلائل کے ذریعہ راجح قول قول پر عمل کیا جائے گا۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں فہم صحابہ کی حجیت اس طرح قائم رہے گی کہ صحابہ کے اختلاف سے باہر نکلنا جائز نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی آیت یا کسی حدیث کے فہم میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف ہوجائے تو بعد میں آنے والے کے لیے تیسرا مفہوم نکالنا جائز نہیں ہوگا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إذا قالت طائفة معنى الآية المراد كذا وقالت طائفة معناها كذا فمن قال معناها ليس واحدا منهما بل أمر ثالث فقد خالف إجماعهم وقال إن الطائفتين مخطئون فإن قيل هؤلاء لا يقولون أريد بل يقولون يجوز أن يكون المراد قيل كلام الصحابة لم يكن بالاحتمال والتجويز وبتقدير أن يكون كذلك فالاحتمالات إن كان أحدهما مراداً فلم يجمع على ضلال وإن كان المراد هو الاحتمال الثالث المحدث بعدهم فلم يكن فيهما من عرف مراد الله تعالى بل الطائفتان جوزت أن تريد غير ما أراد الله تعالى وما أراده لم يجوزه وهذا من أعظم الضلال».[1]

"جب کسی آیت کے معنی کے بارے میں ایک جماعت یہ کہے کہ اس کا مقصود یہ ہے، اور دوسری جماعت یہ کہے کہ اس کا مقصود وہ ہے، پھر کوئی تیسرا شخص یہ کہے کہ آیت کا مطلب ان دونوں میں سے کوئی نہیں بلکہ کوئی تیسرا معنی ہے، تو اس نے ان سب کے اجماع کی مخالفت کی اور دراصل یہ کہا کہ دونوں جماعتیں خطا پر ہیں۔

[1] «بيان تلبيس الجهمية في تأسيس بدعهم الكلامية» (۸/ ۲۵۰)

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ نص سے یہی مراد ہے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے مراد یہ ہو۔

تو جواب یہ ہے کہ صحابہ کا کلام احتمالات اور امکانات پر مبنی نہیں ہوتا تھا۔

اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کا کلام احتمال کے طور پر تھا، تو پھر بھی صورتِ حال یہ ہوگی کہ ان دونوں احتمالات میں سے کوئی ایک یقینی طور پر مرادِ الٰہی ٹھہرے گا، چنانچہ (حق دونوں قول میں سے کسی ایک میں موجود ہوگا اور اس طرح) گمراہی پر صحابہ کا اجماع نہیں ہوا۔

اور اگر صحابہ کے دونوں قول کے بجائے کوئی تیسرا معنی مراد لیا جائے جو ان کے بعد ایجاد ہوا، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم نہ تھی، بلکہ دونوں گروہ نے وہ مفہوم بیان کیا جو اللہ کی مراد نہ تھی اور اس مفہوم کو ترک کر دیا جو درحقیقت اللہ کی مراد تھی، اور یہ گمراہی کی بدترین صورتوں میں سے ہے۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جدید فہم نکالنے کی ممانعت کی بابت جو کچھ کہا ہے وہی امت کے جماہیر علمائے کرام کا موقف ہے، بلکہ بعض علما نے تو اس قول کی مخالفت کرنے والے کو شرذمۃ قلیلۃ[1] قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإذا كان لك أن تترك قولهم إذا اختلفوا، كذلك أيضًا تترك قولهم إذا اجتمعوا، لأنك إذا اختلفوا لم تأخذ بقول واحد منهم، وحيث تقول ذلك، فكذلك إذا اجتمعوا، أن لا تأخذ بقولهم. [2]

---

[1] « المسودة في أصول الفقه » (ص٣٢٦)

[2] "مسائل صالح" (٥٨٧)

”اگر کسی مسئلے میں صحابہ کے اقوال متعدّد ہونے کے سبب تمہارے لیے ان کے اقوال کو ترک کر کے ایک نیا قول ایجاد کرنا جائز ٹھہرے گا تو پھر تمہارے لئے ان کے اجماع کی مخالفت بھی جائز ٹھہرے گی۔ (کیوں کہ دونوں صورتوں میں قول صحابی سے خروج کرنا لازم آرہا ہے)، لہذا جب اختلاف کی صورت میں قول صحابہ سے خروج جائز ٹھہرا تو اجماع کی صورت میں بھی اس کا جواز بنتا ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: إذا اختلف أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يختار من أقاويلهم، ولا يخرج عن قولهم إلى من بعدهم.[1]

”جب صحابہ کرام کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو ان کے اقوال میں سے ہی کسی ایک قول کو اختیار کیا جائے گا، بعد میں آنے والوں کے اقوال کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔“

[1] "العدة" (۴/ ۱۱۱۳)، "التمهيد في أصول الفقه" (۳/ ۳۱۰)

عبداللہ عبدالرشید مدنی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

کیا علما کے مابین ردوقدح کا سبب آپسی چپقلش ہے؟

دین اسلام کے محاسن اور اس کی خوبیوں میں سے ایک عظیم خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پانچ بنیادی مقاصد پر مبنی ہیں جنہیں مقاصد خمسہ یا ضروریاتِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ان مقاصد خمسہ کی حفاظت کا خاصہ اہتمام کیا گیا ہے؛ یعنی دین، جان، عزت، مال اور عقل کی حفاظت۔ مقاصد خمسہ اپنے رتبے اور درجے کے اعتبار سے مختلف ہیں، چنانچہ ان پانچوں مقاصد میں دین وایمان کی حفاظت سب پر مقدم ہے اور یہی مقصد اصل ہے جبکہ بقیہ چاروں مقاصد اسی اصلی مقصد کی حفاظت کے تابع ہے۔

ابن امیر حاج فرماتے ہیں: جب (مقاصدِ شریعت کے درمیان) تعارض پیدا ہو جائے تو ضروریات میں سے "حفاظتِ دین" کو باقی تمام پر مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ یہ سب سے عظیم مقصد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور میں نے جنات اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"[1]۔ نیز دین کے علاوہ دیگر چیزیں دین ہی کی خاطر مقصود ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ دین کی حفاظت کا ثمرہ سب سے کامل ہے، اور وہ (نتیجہ) جوار الٰہی میں ہمیشہ کی سعادت (جنت) کا حصول ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ ان تمام ضروریات خمسہ میں اپنے دین وایمان کی حفاظت سب سے اہم ہے اور اسی پر بقیہ چیزوں کا انحصار ہے۔ یعنی کوئی شخص گرچہ کتنے ہی کمالات کا حامل کیوں نہ، اگر اس کے یہاں اس کا دین

---

[1] (الذاریات: ۵۶)۔
[2] (التقریر والتحبیر: ۲۳۱/۳)

محفوظ نہیں ہے تو اس انسان کے پاس کوئی خیر نہیں! چنانچہ اسی مقصد کی حفاظت کے پیش نظر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قتال فی سبیل اللہ اور حد الردۃ وغیرہ کو مشروع قرار دیا گیا ہے، نیز اہل بدعت پر رد کرنا بھی اسی باب میں داخل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک جب کبھی دین اسلام کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہمیشہ اہل علم نے اپنی زبان وقلم اور تمام تر ممکنہ وسائل کے ذریعہ اہل باطل کے شبہات کا تشفی بخش جواب دے کر ان کے جھوٹ اور تدلیس کی قلعی کھول کر رکھ دی اور دین اسلام کے صاف وشفاف چہرے کو داغدار ہونے سے محفوظ رکھا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

صحابہ کرام اور مقصد حفظ دین

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اور مقصد حفظ دین کی حفاظت:

غور کیجئے کہ جب ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کی مکمل دو سالہ دور خلافت حفاظت دین میں صرف ہوگئی۔ ایک طرف جب ارتداد کے فتنے نے سر اٹھایا تو آپ نے ان کا قلع قمع کیا، دوسری طرف جب جھوٹے مدعیان نبوت نے اپنے دجل سے نور اسلام کو بجھانا چاہا تو آپ نے ان کی سرکوبی کی۔ پھر جب مانعین زکاۃ کا ظہور ہوا تو آپ نے محض دین اسلام کی حفاظت کی خاطر ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ وہ فتنہ بھی اپنا سر اٹھانے سے پہلے ہی معدوم کر دیا گیا۔

مرتدین اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگ کا سبب تو واضح ہے، لیکن مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے کا کیا جواز تھا؟

خلافت عمر میں مقصد حفظ دین کی حفاظت:

اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت دیکھ لیجیے۔ جب صبیغ بن عسل نامی ایک شخص نے متشابہ آیات قرآنیہ کے ذریعہ امت کا شیرازہ بکھیرنے کی کوشش کی اور لوگوں سے اس طرح کی آیات کے متعلق سوال کرکے انہیں شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے لگا تو عمر رضی اللہ نے کھجور کی ٹہنیوں سے مار مار کر اس کو درست کیا، یہاں تک کہ وہ کہنے لگا کہ بس کیجئے امیر المؤمنین، میرے سر پر جو چیز سوار تھی وہ جا چکی ہے۔[1]

صحابہ کے اخیر ادوار کو بھی دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مقصد حفظ دین ان کے نزدیک کس قدر واضح تھا اور کس طرح برملا انداز میں بلکہ نہایت سختی کے ساتھ وہ ہر اٹھتے فتنے کی خبر لیتے تھے۔

بصرہ میں جب معبد الجہنی جیسے منکرین قدر ظاہر ہوئے اور اس کی خبر مدینے میں ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنھما وغیرہ صحابہ کرام کو پہنچی تو انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ ان پر رد کیا اور واضح لفظوں میں ان سے اعلان برات کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنھما نے فرمایا: انہیں خبر دے دو کہ اگر وہ احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا اور انہیں بتادو کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں![2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ لوگ امت کے شریر ترین لوگ ہیں، نہ ان کے مریضوں کی عیادت کرو اور نہ ان کے میت کی نماز جنازہ پڑھو، اگر ان میں سے کوئی مجھے مل جائے تو اپنی اِن دو انگلیوں سے میں اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دوں۔[3]

---

[1] (الشریعہ ط دار الوطن: ۱/۴۸۴، رقم ۱۵۳)

[2] (مسلم: ۸)۔

[3] (الصحیحہ: ۱۵۳۹)۔

ان آثار میں غور فرمائیں! کیا صحابہ کرام کو نرمی، حسن اخلاق اور نصیحت جیسے شرعی احکام کا علم نہیں تھا؟ مگر انہوں نے حفظ دین کی مصلحت اور اس مقصد کی حفاظت کے پیش نظر نہ صرف سخت ترین رویہ اختیار کیا بلکہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر قطع تعلق اور براءت کا اظہار کیا، تاکہ دین اپنی اصلی شکل میں باقی رہے اور **حفظ دین کی مصلحت دیگر تمام مصالح پر فائق رہے۔**

ائمہ کرام نے بھی بعد کے ادوار میں حفظ دین کی مصلحت کو تمام مصالح پر مقدم رکھا اور ہر اس شخص کی خبر لی جس نے اس مصلحت کے برخلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ، عمداً یا سہواً کوئی عمل یا کوئی گفتگو کی۔ فجزاہم اللہ عنا خیر الجزاء۔

لیکن یہ باتیں بعض حضرات کے پلے نہیں پڑتیں، جیسے سرحد پار کے ڈاکٹر محمد زبیر ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ یہ سب تشدد ہے، اکسٹریم ازم ہے اور ان سخت ردود کی چنداں ضرورت نہیں تھی بلکہ اگر معاملہ صلح کلی والا رہتا تو دین کی خوب حفاظت ہو جاتی اور کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ البتہ جب وہ چاہیں تو کسی پر بھی کلام کر سکتے ہیں اور جو ائمہ عقیدے کے باب میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں انہیں تکفیری تک کہہ ڈالیں، اس سے نہ صرف یہ کہ دین کی حفاظت ہوگی بلکہ امت میں خوب اتحاد واتفاق پیدا ہوگا۔ لیکن جب کوئی سلفی عالم ڈاکٹر زبیر کے عقیدے ومنہج کو واضح کرے اور ان کے باطل عقائد اور بے سروپا کے افکارات ونظریات پر رد کرے تو فوراً وکٹم کارد کھیلنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو ہمیں منہج بدر کیا جارہا ہے، ہم پر تنقید کی جارہی ہے اور منہج سے نکالا جارہا ہے، دیکھو امام بخاری، امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا تھا اور انہیں بھی اس طرح کے علما نے رد وقدح کے بعد منہج سے نکال دیا تھا!

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب جب علما سلف نے کسی پر کلام کیا ہے تو عدل وانصاف کی بنیاد پر کیا ہے، نہ کہ خواہشات کی پیروی میں۔ سوال یہ ہے کہ جب ڈاکٹر زبیر کی گمراہیاں واضح نہیں تھیں تو کیا کسی ایک سلفی عالم نے بھی ان پر کوئی رد یا کلام کیا تھا؟ ہرگز نہیں! کلام تب کیا گیا جب وہ کھل کر سامنے آنے لگے اور اپنے باطل

افکارات ونظریات کو عام کرنے لگے۔ لہذا سلفی علما نے ان کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اور عوام الناس کے دین وایمان اور ان کے عقیدے ومنہج کو ان کے فتنے سے بچانے کے لیے ان پر ردود کئے، کررہے ہیں اور تب تک کرتے رہیں گے جب تک رد کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہے گی۔

آئیے ذیل میں فتنہ خلق قرآن کے دور کی کچھ مثالیں ذکر کرتا ہوں جس سے یہ واضح ہوگا کہ کس طرح ائمہ کرام کے نزدیک حفظ دین کا مقصد؛ دوستی، قرابت اور اخوت پر مقدم رہا ہے۔

پہلا واقعہ: کرابیسی کے متعلق ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی "لفظی بالقرآن مخلوق" کا جملہ کہا تھا۔ جب امام احمد کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان پر سخت نکیر کی، اس لئے کہ اس جملے میں حق اور باطل دونوں کا احتمال ہے۔ اگر "لفظی" کو "ملفوظی" کے معنی میں مانا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ باطل عقیدہ ہے کیونکہ ملفوظ کلام اللہ ہے اور کلام اللہ صفت الٰہی ہے، مخلوق نہیں۔ جبکہ اگر اس سے مراد تلفظ لیا جائے یعنی الأداء وفعل العبد؛ تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یقینا بندے کا بولنا اور گفتگو کرنا یہ بندے کا عمل ہے اور بندوں کے اعمال اللہ کی مخلوق ہیں![1]

غور کیجئے کہ امام احمد نے محض باطل کے احتمال کی بنیاد پر علامہ کرابیسی پر کلام کیا کیونکہ مسئلہ ایمان وعقیدے کی حفاظت کا تھا اور اس میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت تھی ورنہ غلط عقائد کے رواج میں دیر نہیں لگتی۔ اور دنیا نے دیکھا بھی کہ کس طرح بعض بدعتیوں نے اس جملے کو اپنے عقائد کی ترویج واشاعت میں استعمال کیا اور اسے امام بخاری کی طرف منسوب کردیا، جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے اس کی وضاحت کررکھی ہے۔[2]

یہاں یہ بھی یاد رکھا جائے کہ امام احمد اور علامہ کرابیسی کے درمیان بڑی گہری دوستی تھی لیکن جب انہوں نے اس بدعی قول کو اختیار کیا تو امام احمد نے اپنی دوستی پر حفظ دین کو فوقیت دی اور امت کی حفاظت کی

---

[1] (دیکھئے السیر: ۱۲/ ۸۲، ۸۱، ۸۰، مختصر الصواعق ط دار الحدیث: ۵۱۳)

[2] (مجموع فتاوی: ۱۲/ ۵۷۲) امام بخاری کے واقعے کی تفصیل آرہی ہے۔

خاطر اپنے گہرے دوست تک پر کلام کیا۔[1] امام موصوف کا یہ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے کسی حسد یا بغض کی بنیاد پر ان پر رد نہیں کیا تھا بلکہ مقصد فقط دین وایمان کی حفاظت تھی۔

دوسرا واقعہ: امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ سے قطع کلامی کا ہے۔ جب فتنہ خلق قرآن برپا ہوا اور خلیفہ کی جانب سے علما کو مجبور کیا جانے لگا تو کئی علما نے مجبورا اور تقیۃً یعنی محض جان بچانے کی خاطر زبان سے یہ کہہ دیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ ان میں ایک بڑا نام امام یحیی بن معین رحمہ اللہ کا بھی تھا۔ لیکن امام احمد نے آپ کا عذر کبھی قبول نہ کیا اور اخیر اخیر تک آپ سے کبھی گفتگو نہیں کی۔ حتی کہ امام یحیی بن معین جب آپ کی عیادت کو تشریف لائے اور سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب تک نہ دیا اور ان سے اپنا چہرہ بھی پھیر لیا۔[2]

سبحان اللہ! غور طلب امر ہے کہ آخر امام احمد نے امام یحیی کے متعلق اس قدر سخت موقف کیوں اختیار کیا؟ کیونکہ معاملہ حفظ دین وایمان کا تھا۔ امام یحیی بن معین علم حدیث کے باب میں ایک بہت بڑی شخصیت تھے۔ اور جو لوگ جتنے عظیم ہوتے ہیں ان کی ذمہ داریاں بھی اتنی عظیم ہوتی ہیں۔ تقیۃً ہی سہی ان کا اس باطل عقیدے کا اقرار کر لینا امت پر بہت گہرا اثر ڈال سکتا تھا اور ان کے اتباع میں ایک طبقہ گمراہی کی طرف نکل سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب وفات تک ان سے راضی نہ ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

قارئین! ان دونوں واقعات میں سخت موقف اختیار کرنے کا سبب دین کی حفاظت تھا۔ اگر اس فتنے میں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنوں اور غیروں کے خلاف سخت موقف اختیار نہ کیا ہوتا تو سوچنا چاہیے کہ کیا نتیجہ سامنے آتا؟ شاید آج ہم اور آپ سبھی معتزلہ کے عقیدہ پر ہوتے۔ والعیاذ باللہ

---

[1] (الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء: ۱۰۶)

[2] (مناقب الإمام أحمد: ۵۲۳)

امام بخاری رحمہ اللہ اور "لفظی بالقرآن" کی حقیقت:

آپ کا زمانہ فتنہ خلق قرآن کے عروج کا زمانہ نہیں ہے بلکہ فتنہ کے معًا بعد کا زمانہ تھا، لیکن اس فتنے میں دو طرح کے لوگ سامنے آئے تھے۔ کچھ تو صریح بدعتی تھی اور قرآن کریم کے مخلوق ہونے کے قائل تھے، جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسی محتمل المعنیین جملے کو رواج دینا شروع کر دیا کہ "لفظی بالقرآن مخلوق"۔ اب چونکہ اس جملے سے اشتباہ ہوتا تھا اور فتنے میں پڑجانے کا خوف تھا لہذا امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے سد الذریعہ کے طور پر اس جملے پر بھی نکیر فرمائی۔ البتہ امام احمد نے اس جملے کے برخلاف "لفظی بالقرآن غیر مخلوق" پر بھی سخت نکیر کی کیونکہ یہ جملہ بھی حسب سابق محتمل المعنیین تھا۔ [1]

امام احمد کی وفات کے بعد جب امام بخاری نیشاپور تشریف لے گئے تو وہاں آپ کا خوب استقبال ہوا اور امام العصر محمد بن یحیی الذہلی بھی اپنے تلامذہ کے ساتھ آپ کے استقبال کو نکلے۔ البتہ امام ذہلی نے اپنے شاگردوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ کوئی امام بخاری سے عقیدے کے باب میں استفسار نہ کرے کیونکہ اگر انہوں نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے ہمیں اختلاف ہے تو خواہ مخواہ افراتفری پھیلے گی اور ہمارے مخالفین خوارج وروافض وغیرہ کو خوش ہونے کا موقع فراہم ہوجائے گا۔ لیکن تیسرے دن آخر ایک شخص نے امام صاحب سے یہ پوچھ ہی ڈالا مسئلہ لفظ (لفظی بالقرآن) کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ پہلے تو امام بخاری نے اعراض کرنا چاہا لیکن اس کے اصرار پر آپ نے دوٹوک الفاظ میں مسئلے کی کما حقہ وضاحت کر دی اور فرمایا: "القرآن كلام الله، وأفعالنا مخلوقة، وألفاظنا من أفعالنا"۔ یعنی قرآن تو اللہ کا کلام ہے لیکن ہمارے افعال اس کے مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہی ہیں! یعنی نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے الفاظ مخلوق ہوئے!

---

[1] (السیر: ۱۱/۲۸۸)

امام صاحب کی فراست دیکھئے کہ انہوں نے ایک ہی جملے کے ذریعہ دونوں قسم کے لوگوں پر رد کر دیا۔ یعنی ان لوگوں پر رد ہو گیا جو قرآن کریم کو مخلوق قرار دیتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی رد ہو گیا جو انسان کے تلفظ یعنی الفاظ کی ادائیگی کے عمل کو بھی غیر مخلوق کہتے تھے۔ لیکن اس قدر واضح لفظوں میں مسئلے کی وضاحت کے باوجود لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے لفظی بالقرآن مخلوق کہہ دیا ہے اور کسی نے اس کی نفی کی !بطور خاص جس شخص نے سوال پوچھا تھا خود اس نے یہ کہہ کر ہڑبونگ مچائی کہ امام بخاری نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہہ دیا ہے اور امام موصوف کو بدنام کر دیا! پھر یہ بھی ہوا کہ امام ذہلی تک یہ بات پہنچی، بلکہ بعض ناسمجھ لوگوں نے پہنچائی اور انہیں یہ مغالطہ دیا کہ امام بخاری نے یہ جملہ بھری مجلس میں کہہ دیا ہے تو انہوں نے کافی سخت رویے کا اظہار کیا اور امام بخاری پر کلام کر دیا اور کہہ دیا کہ اب ان کی مجلسیں لائق اعتنا نہیں ! نتیجتا امام بخاری کو نیشاپور سے رخصت ہونا پڑا۔

حالانکہ اس کے بعد خود امام بخاری نے کئی دفعہ صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کی کہ انہوں نے کبھی یہ جملہ کہا ہی نہیں ہے !

مثلا محمد بن نصر کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو یہ کہتے سنا:**من زعم أني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق فهو كذاب، فإني لم أقله**۔یعنی جس نے یہ کہا کہ میں نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کا جملہ کہا ہے تو وہ کذاب ہے، میں نے یہ جملہ کبھی کہا ہی نہیں !۔ لیکن امام بخاری کے متعلق اس بات کا مشہور ہو جانا بھی اس زمانے میں بڑی بات تھی کیونکہ **"لفظی بالقرآن مخلوق"** کے متعلق ائمہ اسلام نے انتہائی سخت موقف اختیار کیا ہے اور اس کے قائلین کے لئے جہمی، کافر اور خبیث جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ امام لالکائی نے

شرح اصول اعتقاد(۳۸۵/۲-۳۹۹) میں ایسے درجنوں ائمہ اسلام کے نام اور ان کے اقوال اپنی سند سے ذکر کردئے ہیں۔[1]

غور کیا جائے تو یہ پورا معاملہ دین وایمان اور صحیح اسلامی عقیدے کی حفاظت کی خاطر رونما ہوا۔ خواہ وہ امام بخاری ہوں یا امام ذہلی؛ دونوں کی منشا یہی تھی کہ کسی طرح باطل عقائد سے امت کی حفاظت کی جائے۔ جس طرح امام احمد رحمہ اللہ کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے اور انسان کے گفتگو کرنے کے عمل کے مخلوق ہونے کے قائل تھے اسی طرح ان دونوں ائمہ یعنی بخاری وذہلی کا بھی بعینہ یہی عقیدہ تھا۔ وہ تو برا ہو اہل بدعت کا کہ انہوں نے کسی طرح امام ذہلی کو مغالطے میں رکھ کر امام بخاری پر کلام کروادیا اور ان کی باہمی صداقت کو عداوت میں بدل دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ ہر زمانے میں رہے ہیں جو پہلے ائمہ وعلما اہل السنہ کا اعتماد حاصل کرتے ہیں اسکے بعد اس اعتماد واعتبار کو ان کے درمیان آگ لگانے میں استعمال کرتے ہیں۔

لیکن یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی جائے کہ امام ذہلی پر کسی طرح بھی متشدد ہونے کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا اور نہ امام بخاری کو ہی کٹھ گھرے میں کھڑا کیا جاسکتا ہے کیونکہ دونوں حق بجانب تھے اور یہ خلش اہل بدعت کی دخل اندازی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی جیسا کہ امام ابن تیمیہ کی صراحت اوپر گزری۔ لہذا ڈاکٹر زبیر کا یہ کہنا کہ امام بخاری کو بھی منہج سے نکالا گیا اور نکالنے والے محدثین تھے، سراسر پروپیگنڈا ہے۔ گویا وہ امام ذہلی کو متشدد قرار دے کر خود کے لئے وکٹم کارڈ کھیلنے کی کوشش کررہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ چال اب چلنے والی نہیں ہے کیونکہ حقیقت واضح ہوچکی ہے اور اب وہ اپنے ان پینتروں کے پیچھے چھپ کر نہیں رہ سکتے۔

---

[1] اس پوری تفصیل کے لئے دیکھئے ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ۴۹۰، ۴۹۱۔ امام بخاری کے من زعم۔۔۔ والے قول کو امام لالکائی نے مسندا روایت کیا ہے، دیکھئے شرح اصول اعتقاد: ۳۹۶/۲)

فیضان عالم
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت): بعض شبہات کا جائزہ

موجودہ وقت میں سلفیت کے متعلق یہ شبہ عام ہے کہ یہ سلف کے انفرادی آرا پر مبنی ہے، جس کے تناظر میں سلف سے منسوب بعض انفرادی مسائل کو الزامی طور پر موضوع بحث بنایا جاتا ہے تاکہ سلفیت کو ایک نوع کی تقلیدیت سے موسوم کیا جاسکے۔ سلفیت کی صحیح تعبیر اور اس کے لوازم کیا ہیں؟ اہل علم نے اس سلسلے میں کافی گفتگو کی ہے، سر دست ہم اس نقطے سے موضوع کا آغاز کرتے ہیں جسے بعض افراد نے مختلف فیہ باور کرنے کی کوشش کی ہے۔

کیا منہج سلف، سلف کے چند آرا کے مجموعے کا نام ہے؟

فہم سلف، انفرادی آرا کے مجموعے کا نام نہیں، بلکہ سلف کے متفقہ فہم کا نام ہے، جسے اجماع سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے فہم سلف کو تنگ دامن رکھا ہے، اس لئے وہ محض اجماع اصولی سے تعرض کرتے ہیں، لیکن اجماع کے ذیلی مباحث اور قول صحابی کی مختلف جہات سے صرف نظر کر جاتے ہیں، اگر اس پہلو پر غور وفکر سے کام لیا جاتا، تو فہم سلف کے مفہوم پر یوں مغالطہ ڈالنے کی نوبت آتی، اور نہ ہی اپنے موقف اثبات کے لیے انہیں مرجوح مسائل کا سہارا لینا پڑتا۔

فہم سلف کے ضمن میں قول صحابی کی حجیت پر گفتگو اول روز سے جاری ہے، اس سے مراد محض اجماع صحابہ نہیں، بلکہ بعض ایسی صورتیں بھی اس ضمن میں شامل ہیں، جہاں ایک قول بھی دلیل درجہ رکھتا ہے، اگر قول صحابی کے جہتوں پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے۔

قول صحابی کی حجیت اصول فقہ کا معروف مسئلہ ہے، بطور اختصار اس کی توجیہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صحابہ کرام عادل ہیں، اللہ تعالی نے آپ کا تزکیہ فرمایا ہے، فرمان ہے: ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلۡأَوَّلُونَ مِنَ ٱلۡمُهَٰجِرِينَ وَٱلۡأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحۡسَٰنٖ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ﴾۔[1]

(۲) صحابہ اس امت کے سب سے نیک، معتمد اور ذی علم شخصیت ہیں، شرعی امور میں انہوں نے اپنی ذاتی رائے پیش کرنے سے ہمیشہ گریز کیا ہے، ان کی باتیں قرآن وسنت کی ہی ترجمان ہوا کرتی تھیں۔[2]

بنابریں اگر کسی مسئلے میں صحابی کی رائے منقول ہے ہو، تو اس پر توجہ دینا ہماری شرعی ذمہ داری ہے، اہل علم نے قول صحابی کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) صحابی اگر کسی غیر اجتہادی امر میں رائے دیں، تو اسے مرفوع حکمی کے شمار کیا جاتا ہے۔[3]

---

[1] سورة التوبة: ١٠٠.

[2] اعلام الموقعين(١٤٨/٤)

[3] المسودة في أصول الفقه لآل تيمية (٣٣٨)، شرح الكوكب المنير لابن النجار (١٢٠/٤).

(۲)اگر قول صحابی معروف ہو، بایں صورت کہ دوسرے صحابی سے اس متعلق کوئی اختلاف نہ ملتا ہو، تو یہ قول اجماع (سکوتی) کہلاتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر قول صحابی معروف ہو، اور اس قول پر اس زمانے میں نکیر نہیں کی گئی، تو اہل علم اس قول کو حجت مانتے ہیں۔[۱]

(۳)۔ اگر صحابہ کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہو، تو ایسی صورت میں کسی کا قول حجت نہیں، بلکہ دلیل کی بنیاد پر کسی ایک قول کو اختیار کیا جائے گا۔ لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے، بایں صورت ان کے اختلاف سے خروج نہیں کیا جائے گا، یعنی کسی تیسری رائے کی گنجائش نہیں نکالی جائے گی، جسے اہل علم (لا يجوز إحداث قول ثالث) سے تعبیر کرتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس بابت ایک مستقل باب باندھا ہے: (باب القول في أنه يجب اتباع ما سنه أئمة السلف من الإجماع والخلاف، وأنه لا يجوز الخروج عنه)۔[۲]

(۴)۔ متذکرہ تین صورتوں کے علاوہ قول صحابی اگر منقول ہو، تو اس کی حجیت کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، تاہم ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حوالے سے فرماتے ہیں: اگر وہ قول نص شرعی اور قیاس صحیح سے معارض نہیں تو اسے قابل حجت گردانا چاہیے۔[۳]

لہذا اگر کسی اصول کو چند اقوال وآثار کی بنیاد پر منہج سلف یا فہم سلف سے تعبیر کیا جارہا ہے تو اسے تقلید/انفرادی رائے کہنے کے بجائے متذکرہ بالا کسی ایک صورت سے مستنبط سمجھنا چاہیے۔[۴]

---

[۱] مجموع الفتاوى:(١٤/٢٠).

[۲] الفقيه والمتفقه (١٧٣/١).

[۳] مجموع الفتاوى(١٤/٢٠).

[۴] واضح رہے کہ ہجر المبتدع کا مسئلہ اس ضمن میں نہیں آتا، بلکہ وہ مجمع علیہ مسئلہ ہے، جسے فریق مخالف قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔

اس اصول کی وضاحت کے بعد موصوف نے جس مسئلے کے ذریعہ مغالطہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، اس کا بھی جائزہ پیش خدمت ہے۔

ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج، ائمہ اہل سنت کی نظر میں:

سلف کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ ظالم، فاسق اور فاجر حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے، ان کے ظلم پر صبر کرنا اور ان کے خلاف احتجاج سے باز رہنا، سنت نبوی ہے، ایسی صورت میں انکار منکر کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ حاکم وقت کے سامنے انہیں سری طور پر نصیحت کی جائے۔

حکمرانوں سے اگر کفر کا صدور ہوتا ہو، یا وہ کفر کو ترویج دیتے ہوں، تو ایسے وقت میں انہیں معزول کرنا، ہماری شرعی زمہ داری ہے، تاہم اس دوران دو شرطوں کی پاسداری نہایت ضروری ہے: پہلا، ظالم حاکم کو اقتدار سے برطرف کرنے کی قدرت ہو۔ دوسرا، اس کا متبادل اس سے بہتر ہو، اگر یہ دو شرطیں مفقود ہیں، تو اس حالت پر صبر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شریعت کی نظر میں انسانی جان کافی قیمتی ہے، اسے ضائع کرنا، یا اس کے ضیاع کا سبب بننا، مقصد شریعت کے منافی ہے، نیز ایسے مواقع پر ہر وہ اقدام جو نقض امن کا باعث ہو، اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ فرد واحد پر جماعت اور قوم کی مصلحت مقدم ہے، لہذا فرد کی اصلاح میں پوری قوم کو بربادی میں جھونکنا، شریعت اور عقل سلیم دونوں کے منافی ہے۔

ائمہ سلف نے ظالم حکمرانوں کے خلاف عدم خروج پر اجماع نقل کیا ہے، اس سلسلے میں سلف سے بیشتر اقوال موجود ہیں۔

حسن بصریؒ سے منقول ہے: (ایک گروہ آپ کے پاس خروج کی اجازت طلب کرنے آیا، تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھروں میں رہیں، اور اپنے اوپر دروازے بند کرلیں۔ پھر فرمایا: (خدا کی قسم! اگر لوگ اپنے

حکمران کی طرف سے آزمائش میں پڑنے پر صبر کریں تو اللہ جلد ہی ان سے وہ آزمائش دور کر دیتا ہے۔ لیکن وہ قتال کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور وہ اس کے حوالے کر دیے جاتے ہیں)۔[1]

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: (امام اور امیر المؤمنین (چاہے وہ نیک ہوں یا بد) کی سمع وطاعت ضروری ہے۔ جو مسند خلافت پر متمکّن ہو گیا، اور لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا، یا کوئی زور شمشیر سے مسند حکومت پر قابض ہوا، حتی کہ خلیفہ اور امیر المؤمنین کہلایا گیا، تو جہاد ایسے امام کے ساتھ (چاہے وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو) قیامت تک جاری رہے گا۔ مال فئ اور عشر کی تقسیم اور حدود کا نفاذ ان ائمہ کے ذمہ ہو گا، اور ان پر طعن کرنا، اور ان سے اختلاف کرنا کسی کے لئے جائز نہیں)۔[2]

ابو حاتمؒ اور ابو زرعہؒ عقیدے کے بعض اجماعی مسائل کے ذکر میں لکھتے ہیں: (ہم ائمہ کے خلاف خروج نہیں کرتے، نہ ہی فتنے کے دور میں جنگ وجدال میں پڑتے ہیں، اپنے حکمرانوں کی سمع وطاعت کو ضروری سمجھتے ہیں، اور ان کی اطاعت سے اپنے آپ کو الگ نہیں کرتے)۔[3]

علی ابن المدینیؒ نے کہا: (جو مسلمان ائمہ میں سے کسی امام کے خلاف خروج کرے گا، اس حال میں کہ لوگ اس کی خلافت پر راضی ہوں، خواہ اسے خلافت برضا ملی ہو، یا غلبے سے، تو اس پر خروج کرنے والا شخص، نافرمان ہے اور اس کا یہ عمل طرز نبوی کے مخالف ہے۔ لہذا اگر وہ اس خروج کی حالت میں مارا جاتا ہے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ حکمران کے خلاف نہ قتال جائز ہے، اور نہ اس کے خلاف خروج، نیز خروج کا مرتکب بدعتی ہے)۔[4]

---

[1] الشريعة للآجري (٣٧٣/١).

[2] أصول السنة (٤٢/١-٤٣).

[3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي (١٧٧/١).

[4] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي (١٦٨/١).

ابوبکر اسماعیلیؒ اور ابوعثمان صابونیؒ اجماعی مسائل کے تذکرے میں لکھتے ہیں: (ظالم حکمرانوں کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کرنا، ان کی اصلاح کی دعا کرنا۔ ۔۔۔ اور ان پر خروج کرنے سے باز رہنا، اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے)۔[1]

ائمہ سلف کا اس مسئلے پر اجماع نقل کرنا، اپنی رائے پر مبنی نہیں، بلکہ شرعی نصوص کے عین موافق ہے۔

ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: «ستَكُونُ أُمراء فَتَعرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ. قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا» عنقریب کچھ ایسے امرا آئیں گے، جنہیں تم جانتے ہوگے اور ان پر انکار بھی کروگے، لہذا جس نے دل سے برا جانا، وہ (گناہ سے) بری ہے، اور جس نے (بقدر استطاعت) نکیر کی، تو وہ بھی (معصیت) سے بچ گیا، لیکن جو اس منکر پر راضی ہوگیا، (وہ گناہ گار ہوگا)، صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ، کیا ہم ان حکمرانوں سے قتال نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز قائم کرتے ہیں، تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔[2]

عوف بن مالک الاشجعیؓ کہتے ہیں: میں نے ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ مَنْ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ، وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ». قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذَلِكَ؟ قَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا الصَّلَاةَ، أَلَا وَمَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ، فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ، وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ»۔ تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں، جنہیں تم پسند کرتے ہو، اور حکمران بھی تمہیں پسند کرتے ہوں، تم ان کے لئے دعا کرتے ہو، اور وہ تمہارے لئے۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں،

---

[1] اعتقاد أئمة الحديث للإسماعيلي (١/٧٥-٧٦)، عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني (٢٩٤).

[2] أخرجه مسلم (٣/١٤٨٠)، برقم: (٦٢).

جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں ناپسند کرتا ہو، اور تم اس پر لعنت کرتے اور وہ تم پر، صحابہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ: کیا ایسی صورت میں ہم ان سے قتال نہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز قائم کرتے ہوں، جب تک وہ نماز قائم کرتے ہوں۔ خبردار، اگر تم پر کوئی والی مقرر ہوتا ہو، اور وہ معصیت کا مرتکب ہو، تو اس کی اس معصیت کو برا جانو، اور اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلو۔[1]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ؛ فَإِنَّهُ من فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»- تم میں کوئی اگر امیر کے کسی برے کام کو دیکھے، تو اس پر صبر کرے، کیونکہ جس نے جماعت سے کو ترک کیا، گویا وہ جاہلیت کی موت مارا گیا۔[2]

اسی طرح اگر حاکم کی غلطی پر تنبیہ کرنی ہو، تو اسے سری طور پر نصیحت کی جائے گی، اس سلسلے میں بھی کئی احادیث وآثار منقول ہیں:

عیاض بن غنم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «من أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لذي سُلْطَانٍ فَلَا يُبْدِهِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلَكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَيَخْلُو بِهِ فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَإِلَّا فَقَدْ أَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ»- جو حاکم کو نصیحت کا ارادہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ علانیہ نصیحت نہ کرے۔ بلکہ اس کے ہاتھ کو پکڑے، اور تنہائی میں اسے نصیحت کرے، اگر اس نے نصیحت قبول کرلی، تو فبہا، ورنہ اس نے اپنی ذمہ داری ادا کردی۔[3]

حکمرانوں کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے طریقے کے حوالے سے، یہ حدیث صریح ہے کہ حکمرانوں کو نصیحت سری طور پر کی جائے گی، کیونکہ علانیہ نصیحت سے معاملہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہے، لہذا یہ حدیث عین

---

[1] أخرجه مسلم (١٤٨٢/٣) برقم: (١٨٥٥).

[2] أخرجه البخاري (٤٧/٩) برقم: ٦٦٤٦، ومسلم (١٤٧٧/٣) برقم:٥٦.

[3] أخرجه أحمد (١٥٣٣٣)، والحاكم (٢٩٠/٣)، وابن أبي عاصم في السنة (١٠٩٦-١٠٩٨) والطبراني في مسند الشاميين (٩٤/٢). ہیثمی نے اس حدیث کے ایک سے زائد شواہد کا ذکر کیا ہے، دیکھیں: مجمع الزوائد و منبع الفوائد(٢٧٧/٥). علامہ البانیؒ اور ابن بازؒ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حکمت ومصلحت پر مبنی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب اس حدیث کے برخلاف ، یہ کہتے ہیں:" آج کے سلفی علما حکمرانوں کے کانوں میں کھسر پسر کرنے کے قائل ہیں"، لگتا ہے کہ موصوف کے ہاں پیروی دلیل کے جذبے کا فقدان ہے، اہل علم کے شرعی طرز تعامل کو موضع طعن سمجھنا، اہل سنت کا خاصہ نہیں۔

ابو وائلؒ کہتے ہیں: (اسامہ بن زیدؓ کو کہا گیا کہ اگر میں عثمان غنیؓ سے ملاقات کرتا، تو ان سے ضرور(بالمشافہ) بات کرتا، اس پر اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں، کہ میں تمہارے سامنے ان سے گفتگو نہیں کرتا، بلکہ سری طور پر ان سے بات کرتا، تاکہ میں فتنے کا دروازہ کھولنے کا سبب نہ بن جاؤں)۔[1]

حافظ ابن حجرؒ اس اثر کی شرح میں لکھتے ہیں: (لوگوں نے اسامہ بن زیدؓ سے گزارش کی تھی کہ وہ ولید بن عقبہؓ کے مسئلے میں حضرت عثمانؓ سے گفتگو کریں، کیونکہ آپ ان کے خواص میں سے تھے۔۔۔۔۔۔ تو اس موقع پر اسامہ بن زیدؓ نے مذکورہ جملہ کہا، یعنی علانیہ ائمہ پر انکار کرنے کا دروازہ کھولنے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ امت میں تفرقہ پیدا ہو جائے)۔[2]

متذکرہ اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا سلف کا مذہب نہیں ہے، بلکہ اس معاملے صبر وتحمل سے کام لینا وہ ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ یہی سنت نبوی ہے۔

اس اصول کے برعکس بعض گمراہ فرقوں کی یہ رائے رہی ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا واجب ہے، جیسا کہ خوارج، معتزلہ اور زیدیہ کا یہی مذہب ہے،[3] اور بعض اشاعرہ خروج کے جواز کے قائل

---

[1] أخرجه البخاري (٣٢٦٧)، ومسلم (٢٩٨٩).

[2] فتح الباري (٥٢/١٣).

[3] دیکھیں: مقالات الإسلاميين للأشعري (١٢٥)، والفرق بين الفرق للبغدادي(٥٥).

ہیں۔[1] عصر حاضر میں عالم اسلام میں حکمرانوں کے خلاف نعرے بلند کرنے کروالے، دراصل اسی باطل فرقوں سے متاثر ہیں، جس کے لیے انہوں نے چند متشابہ امور کو دلیل بنانے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر زبیر صاحب نے خروج کے مسئلے پر جن اسلاف کا حوالہ دیا ہے، اس کی تفصیلی جواب سے قبل اجمالی طور پر چند باتیں جان لینا ضروری ہے:

(۱) اہل علم کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ متشابہ کے بجائے محکم دلائل سے مسئلے کا استنباط کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ کا قول ہے: ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۘ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ﴾-[2]

زیر بحث مسئلے میں جو محکم صورت ہے، وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف عدم خروج ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور اس کی تفصیل گزری، لہذا بعض سلف کا عمل اگر اس اصول سے متصادم ہے، تو یہاں ان کے عمل کو خطا پر محمول کیا جائے گا، اور محکم صورت کی اتباع کی جائے گی، اہل علم کی یہی روش رہی ہے۔

(۲) بعض اہل علم کے عمل سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے قائل تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ عمل ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا، اس لئے جمہور امت نے ان کے عمل کو تفرد سمجھا، اور عقیدے کی کسی کتاب میں اس بابت کوئی رائے درج نہیں کی گئی، کہ بعض سلف متعلقہ مسئلے میں جواز

---

[1] دیکھیں: غاية المرام للآمدي(٣٨٥)، والأحكام السلطانية للماوردي (٤٢).

[2] آل عمران: ٧.

کا رجحان رکھتے ہیں، بلکہ تاریخ میں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ خیر القرون میں جن لوگوں نے بھی خروج کیا، وہ بعد ازاں وہ اپنے عمل پر نادم ہوے۔

ابن اشعث کے ساتھ جن قراے عظام نے خروج کیا، ایوب سختیانیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "(عام طور سے) خروج میں قتل کئے جانے والے اشخاص سے بیزاری برتی جاتی تھی، اور جو بچ نکلتا، وہ اپنے کئے نادم رہتا تھا، اس بابت مجھے کسی تیسرے پہلو کا علم نہیں"۔[1]

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: (تاریخ ہمیں یہ کہتی ہے کہ حکام کے خلاف خروج کرنے سے سوائے شر کے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوا)۔[2]

علامہ معلمیؒ کہتے ہیں: (مسلمانوں کو خروج کے تجربے سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا، تاریخ ہمیں خروج کے نتائج میں عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت، خانہ جنگی، حضرت حسین کی شہادت، مدینے پر چڑھائی، اور اس طرح کے دیگر نقصانات سے آگاہ کرتی ہے)۔[3]

(۳) بعض کے ذہن یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر یہ مسئلہ مجمع علیہ ہے، پھر صحابہ اور تابعین نے خروج کے راستے کو کیوں اختیار فرمایا؟

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل **اس مسئلے میں بعد از اختلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔**

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: "کہا جاتا ہے کہ اس مسئلے میں پہلے اختلاف پایا جاتا تھا، بعد میں خروج کی حرمت پر اجماع منعقد ہوا ہے"۔[4]

---

[1] تاريخ دمشق (١٤٦/٥٨).

[2] منهاج السنة (٥٢٨/٤).

[3] التنكيل في تأنيب الكوثري من الأباطيل (٩٤/١).

[4] شرح مسلم (٢٢٩/١٢).

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: (خروج بعض سلف کی قدیم رائے تھی، لیکن خروج کے بیشتر واقعات دیکھنے بعد ،جب اس کے نتائج میں صرف نقصان ہی نظر آیا، تو اہل علم نے اس کی حرمت پر اتفاق کر لیا)۔[1]

محولہ بالا اقوال سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ گویا یہ مسئلہ سلف کے ہاں مختلف فیہ رہ چکا ہے، جبکہ ایسا نہیں، بعض سلف سے منقول اختلاف ذاتی عمل سے تعلق رکھتی ہیں، لہذا اسے باضابطہ رائے کا درجہ دینا مناسب نہیں، کیونکہ ان کا عمل شرعی نصوص اور متفقہ فہم سلف سے متعارض ہے۔ اس حوالے سے ابن تیمیہؒ نے جس تعبیر کو منتخب فرمایا ہے، وہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

"امت کے اہل علم نے فتنے کے وقت خروج (بغاوت) اور قتال سے ہمیشہ روکا ہے، جیسے عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؒ، علی بن حسینؒ اور دیگر اہل علم نے عام الحرہ یزید کے خلاف خروج سے منع کیا تھا اور اسی طرح حسن بصریؒ، مجاہدؒ اور دیگر تابعین کرام نے فتنہ ابن اشعث میں خروج سے باز رہنے کی تعلیم دی تھی۔ اسی بنیاد پر اہل سنت نے خروج کے حوالے سے صحیح احادیث کے بموجب یہ موقف اختیار فرمایا کہ فتنے میں جنگ وجدال سے باز رہا جائے، بعد از انہوں نے عقائد میں اسے ذکر کیا، اور ظالم حکمرانوں کے خلاف صبر اور ان سے قتال سے پرہیز کی تلقین کرنے لگے۔[2]

بیجوریؒ کے قول سے بھی اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے: (ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج اجماعی طور پر حرام ہے، متاخرین تابعین کے گزر جانے کے بعد اس مسئلے میں اجماع ہوا ہے، لہذا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو اجماع کے معارض نہیں سمجھا جائے)۔[3]

حسین رضی اللہ عنہ کا خروج: مفہوم اور شبہ کا ازالہ

---

[1] تهذيب التهذيب (٣٩٩/١).

[2] منهاج السنة النبوية (٥٢٩/٤).

[3] حاشية البيجوري على ابن القاسم (٤٧٢/٢).

ڈاکٹر زبیر صاحب نے حسینؓ کے عمل سے خروج کا استنباط کیا ہے، اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ظالم حکمرانوں پر خروج بعض سلف سے ثابت ہے، جس کا جواب کچھ یوں ہے:

زیر بحث مسئلے میں کبار صحابہ کرام کی رائے حسینؓ سے مختلف تھی، انہوں نے حضرت حسینؓ کے عمل /اجتہاد پر بصراحت نکیر کی ہے۔ ابن عمرؓ نے حسینؓ اور ابن زبیرؓ دونوں کو موجودہ حکمران کی عدم بیعت پر ناگواری کا اظہار کیا ہے، کہتے ہیں: (میں تم دونوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنے ارادے ترک کردو، اور لوگوں کے حق میں جو بہتر ہے، اس امر کو اختیار کرو، اگر عوام ان حکمرانوں کی بیعت پر راضی ہو جائے۔ تو ان سے اپنے آپ کو الگ نہ کرو، اگر عوام الناس خود مختلف ہو رہے ہوں، پھر تمہیں اپنی بات رکھنے کی پوری آزادی ہے)۔[1]

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں: (میرے سمجھانے کے بعد بھی حسینؓ خروج پر آمادہ ہو گئے، حالانکہ میں نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کا خوف کریں، اور ایسی صورت میں اپنے گھر کو لازم پکڑیں، اور حکمران پر خروج نہ کریں)۔[2]

جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں: (میں نے حضرت حسینؓ سے بات کی، اور انہیں اللہ کا خوف دلایا کہ لوگوں کے آپس میں لڑنے کا سبب نہ بنیں)۔[3]

ان اقوال کی روشنی میں یہ بات بآسانی کہی جا سکتی ہے، کہ حسینؓ اپنے اجتہاد میں درست نہیں تھے۔

امام ابن تیمیہؒ نے حسینؓ کے مسئلے پر بڑی فاضلانہ گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حسینؓ نے جب عراق نکلنے کا ارادہ کیا، تو اس وقت کئی صحابہ اور تابعین نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا، جس میں سر فہرست ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابو بکر بن عبد الرحمنؒ تھے، کیونکہ ان تمام کو آپ کے قتل کیے جانے کا خدشہ تھا، بلکہ بعض نے

---

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (١/٤٤٤).
[2] الطبقات الكبرى لابن سعد (١/٤٤٥).
[3] الطبقات (١/٤٤٥).

یہاں تک کہا تھا اگر عدم توقیری کا پرواہ نہ ہوتی، تو میں انہیں ایسا کرنے سے ضرور روک لیتا، کیونکہ یہ عمل کسی طور بھی درست نہیں تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ وہی ہوا، جس کا خدشہ تھا، کاش خروج سے احتراز کیا گیا ہوتا، تو یہ فساد برپا نہیں ہوتا، لیکن ان کی قتل نے مزید فتنے کو جنم دیا، جیسا کہ اس سے پہلے عثمانؓ کی قتل سے نئے فتنے کا ظہور ہوا۔

یہ تمام چیزیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان (حکام کے ظلم پر صبر کرنا، اور خروج سے باز رہنا) کو اختیار کرنا ہی باعث عافیت ہے، اور لوگوں کو بھلائی بھی اسی میں ہے۔[1]

اس مسئلے میں ایک دوسری رائے بھی ہے: (در اصل حسینؓ کا عمل خروج نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، تو ان کے عمل پر خروج کا سوال کیسا پیدا ہو سکتا ہے۔ نیز حسینؓ کے حوالے سے یہ وضاحت بھی تاریخ میں ہمیں ملتی ہے، کہ آپ اپنی آخری گھڑی میں اپنے ملک، اسلامی سرحد، یا یزید کی بیعت پر آمادہ ہو چکے تھے، لیکن بالآخر انہیں شہید کر دیا گیا)۔[2]

ان تمام وضاحت کے بعد حضرت حسین کے عمل کو خروج علی الحکام کے جواز پر بطور دلیل پیش کرنا؛ کتنی بڑی نادانی کی بات ہے، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

خروج ابن زبیرؓ:

موصوف نے ابن زبیرؓ کے خروج سے بھی استدلال کیا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج جائز ہے۔ ابن زبیرؓ کا عمل ان کے موقف پر دال ہے، یا زیب داستان کے لیے ان کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، اس کا مختصر تجزیہ سامنے ہے:

---

[1] منهاج السنة لابن تيمية (٤/٥٣١-٥٣٢).

[2] البداية والنهاية (١١/٤٤٧).

۱-یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ اور حسینؓ دونوں صاحبان کو بیک وقت نصیحت کی تھی کہ اپنے ارادے ترک کردیں، جس سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کے ہاں ان کا عمل درست نہیں تھا۔ بعض روایت میں ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کو بھی بالخصوص یہ نصیحت کی تھی، کہ اپنے ارادے سے باز آجائیں۔[۱]

۲-ابن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا دعویٰ یزید بن معاویہؒ کے انتقال کے بعد ربیع الاول سن ۶۴ ہجری میں کیا ہے۔ اول وہلے میں اہل حجاز نے آپ کی بیعت کی، اور دیگر علاقے معاویہ بن یزیدؒ کے زیر اثر تھے۔ معاویہ بن یزیدؒ کے انتقال کے بعد بقیہ علاقے بھی آپ کی خلافت میں شامل ہوگئے، چناچہ حجاز کے ساتھ مصر، یمن، عراق، بلاد مشرق اور ملک شام کے تمام علاقے سوائے فلسطین کے، یہ تمام علاقے آپ کے زیر حکومت ہوگئی، جب مروان بن حکم خلیفہ بنائے گئے۔ توانہوں نے اپنی کوشش سے مصر اور دمشق کا علاقہ اپنے قبضے میں کرلیا، مروان بن حکم کے بعد ان کے فرزند عبد الملک بن مروان نے بقیہ علاقے مصر، شام اور عراق کو اپنی سلطنت کے تابع کیا، اور جب ابن زبیرؓ کے زیر قیادت صرف حجاز اور یمن کا علاقہ رہ گیا۔ تو عبد الملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر بھیج کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، اور سن ۷۲ ہجری میں آپ کو قتل کردیا گیا، اس کے بعد پوری اسلامی سلطنت پر بنوامیہ کی حکومت قائم ہوگئی۔[۲]

اس تفصیل کے بعد، کیا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ابن زبیرؓ بنوامیہ سے برسرپیکار تھے، یا بنی امیہ نے ابن زبیر کی حکومت میں خروج کیا، یا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دراصل یہ زمانہ فتنے اور اختلاف سے عبارت تھا۔[۳]

ابن زبیرؓ کا زمانہ فتنے اور اختلاف کا تھا اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کئی ایک صحابی نے آپ پر بیعت نہیں کی تھی، جیسا کہ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابن حنفیہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ان دنوں

---

[۱] أخرجه مسلم (٢٥٤٥).

[۲] فتح الباري (١٣/١٩٤-١٩٥)، منهاج السنة (٤/٥٢٢-٥٢٣).

[۳] دیکھیں: المغني لابن قدامة (٨/٥٢٦).

حجاز میں اقامت پذیر تھے، اور ابن زبیرؓ سے آپ کے تعلقات بھی کافی اچھے تھے، اس کے باوجود ان میں کسی نے آپ پر بیعت نہیں کی۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: (سن ۶۴ ہجری میں یزید بن معاویہ کے انتقال کے بعد پر ابن زبیرؓ کے خلافت کے لیے بیعت کی گئی، اور انہوں نے حجاز پر حکمرانی بھی کی، لیکن آپ کی خلافت پر مکمل اتفاق کا اظہار نہیں کیا گیا، اس لئے بعض اہل علم نے آپ کی حکومت کو فتنے اور اختلاف کا دور کہا ہے)۔[1]

لہذا ابن زبیرؓ کے عمل کو ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے لئے دلیل بنانا کسی طور پر درست نہیں۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کا موقف:

تاریخ کی کتابوں میں ہمیں آپ کی بابت یہ ذکر ملتا ہے آپ نے حکمرانوں پر تنقید کی ہے، آپ بنو امیہ کی طرز حکومت سے کافی نالاں تھے، تاہم آپ نے عوام الناس کو کبھی خروج پر نہیں ابھارا، اور نہ ہی کسی خروجی عمل میں کبھی شریک ہوئے، بلکہ اہل علم نے آپ کو خروج سے روکنے والوں میں شمار کیا ہے۔[2]

سعیب بن مسیبؒ جلیل القدر تابعی ہیں، فتویٰ اور زہد میں آپ قابل نمونہ ہیں، اسکے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ حکومت وقت پر آپ کا اعلانیہ نکیر کرنا، فہم سلف کے مخالف تھا، جیسا کہ سلف کے موقف کی وضاحت اوپر گزری۔

سفیان ثوریؒ کا موقف:

موصوف نے سفیان ثوریؒ کے متعلق اس بات کی وضاحت کی ہے، آپ حکمرانوں پر تنقید کیا کرتے تھے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ نے حافظ ذہبیؒ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ حکمرانوں پر شدید

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣/٣٦٤).

[2] منهاج السنة (٤/٥٢٩-٥٣١).

نکیر کیا کرتے تھے۔ مگر اس شدید انکار کی کوئی توضیح نہیں کی گئی، آیا وہ بر سر عام منبر و محراب پر تنقید کیا کرتے تھے، یا حکمرانوں کے سامنے ان پر نکیر کرتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے آپ کے ترجمے میں جو تفصیل پیش کی ہے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سفیان ثوریؒ کا نکیر حکمرانوں کے سامنے ہوا کرتا تھا[1]۔ جو کہ عین شریعت کے موافق ہے، کیونکہ بادشاہ کے سامنے نکیر کرنا اہل سنت والجماعت کا متفقہ موقف ہے، تاہم اس دوران لہجے میں نرمی، اور حکمت و مصلحت کو خاطر میں رکھنا از حد ضروری ہے۔ البتہ جو امر ممنوع ہے، وہ حکمرانوں کی غیبوبت میں ان پر تبصرے کرنا، اور لوگوں کو خروج پر ابھارنا، سفیان ثوریؒ اس امر میں سلف کے موقف پر کاربند تھے۔[2]

امام للالکائیؒ لکھتے ہیں: (سفیان ثوریؒ، اپنے اصحاب کو نصیحت میں کہتے تھے، کہ میں نے جو بات آپ کو بتائی ہے، وہ اس وقت تک آپ کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتی، جب تک کہ آپ نیک اور فاجر حکمرانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو درست نہ جان لیں، اور اسی طرح قیامت تک مسلم حکمرانوں کے ساتھ خواہ وہ ظالم ہوں یا نیک، جہاد کرنا ضروری نہ سمجھ لیں)۔[3]

اس قول سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سفیان ثوریؒ کے خلاف کو جو باتیں بتائی جا رہی ہیں، اس کی حیثیت محض پروپگینڈا کے کچھ نہیں۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٧/٢٤٤).

[2] سير أعلام النبلاء (٧/٣٦١).

[3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة (١/١٥٤).

قاضی عیاضؒ کا موقف:

حافظ زبیر صاحب نے قاضی عیاضؒ کو بھی اسی صف میں لا کھڑا کیا ہے، کہ آپ بھی تنقید اور خروج کے قائل تھے، مگر اس کا حوالہ دینے کی انہوں نے زحمت نہیں اٹھائی ہے۔ راقم نے قاضی عیاضؒ کے موقف جاننے کی کوشش کی، تو یہ نتائج سامنے آئے۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں: (اگر بادشاہ فسق کا مرتکب ہو، تو اس بنیاد پر اس پر خروج کرنا جائز نہیں ہے۔ مجاہد بن بکرؒ نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے۔ تاہم بعض نے اس اجماع کی تردید کی ہے کہ حضرت حسینؓ، ابن زبیرؓ، اہل مدینہ کا بنوامیہ پر خروج، اور اسی طرح تابعین کی ایک جماعت کا ابن اشعث کے ہمراہ حجاج بن یوسف پر دھاوا بولنا، یہ تمام واقعات اجماع سے معارض ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ بعض اہل علم نے حجاج بن یوسف پر خروج کو اس ناحیے سے درست فرمایا ہے کہ بعض تابعین حجاج بن یوسف کو کافر سمجھتے تھے)۔[1]

قاضی عیاض کے اس قول سے ہمیں آپ کے صریح موقف کا علم نہیں ہوتا، تاہم ان کے اس قول کو خروج کی تائید پر محمول کرنا بھی کسی طور روا نہیں لگتا، پتہ نہیں، موصوف نے کس قول کی بنیاد پر قاضی عیاض کو خروج کا قائل سمجھا ہے!۔

[1] إكمال المعلم: كتاب الإمارة (٥/٢٤٧)

ابوالمدیح بلال الخلیلی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے قول "من ماشی المبتدع عندنا فھو مبتدع" کی تحقیق اور درست مفہوم کی نشاندہی

عصرِ حاضر میں اسلامی فکر و تحقیق کے میدان میں، جہاں متعدّد نت نئے رجحانات نے جنم لیا ہے، وہیں "منہجِ سلف" اور "فہمِ سلف" کی اصطلاحات، ان کے مفاہیم، اور ان کے عملی اطلاقات بھی شدید بحث و تمحیص کا مرکز بنے ہوئے ہیں، سلف صالحین کا راستہ، جو کہ کتاب و سنت کی تفہیم کا سب سے معتبر، محفوظ اور مستند راستہ سمجھا جاتا ہے، اسے دورِ حاضر کے بعض ناقدین کی جانب سے "تاریخی تنقید" اور "عصری تقاضوں" کے نام پر چیلنج کیا جارہا ہے، ان ناقدین میں سوشل میڈیا پر ایک نمایاں نام ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب کا ہے، جو اپنی تحریروں، تقاریر اور ویڈیوز کے ذریعہ خالص سلفی منہج کے بعض مسلمہ اصولوں، بالخصوص "ہجر المبتدع"، "الولاء والبراء" اور اس سلسلہ میں وارد ائمہ سلف کے بعض اقوال کی اصولی حیثیت پر سوالات اٹھاتے نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے میں فضیلۃ الشیخ حمود التویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سمجھ لو کہ جن لوگوں کی عقل، محض دنیاوی زندگی تک محدود ہے، بدعات، فسق و فجور اور نافرمانیوں کی رعایت و نرمی میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، بلکہ ان میں سے بہت سے تو کفار اور منافقین کے ساتھ بھی مداہنت برتنے میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے۔ ان میں سے بعض انتہائی جہالت کے شکار افراد ان لوگوں پر نکیر کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں جو اہلِ بدعت اور اہلِ فسق و معصیت سے قطع تعلقی اختیار کرتے ہیں اور ان کے سامنے چہروں پر سختی اور ناگواری ظاہر کرتے ہیں، یہ جاہل

لوگ اس شرعی ہجر کو اس قطع تعلقی میں شمار کرتے ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان: "لا تَهاجَروا" ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو"، اور اس قول: "لا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أنْ يَهْجُرَ أخاهُ فَوْقَ ثَلاثٍ" کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے"، کے ذریعے منع فرمایا ہے۔

میں نے خود اس طرح کی باتیں بعض خطباء اور قصہ گو مبلغین سے سنی ہے، ان کے اس طرزِ فکر کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ہجر دینی جو کہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے، اور ہجر دنیوی جو محض نفس کی خواہش اور ذاتی ناراضی پر مبنی ہوتا ہے، کے درمیان فرق نہیں کرتے، ان کی اس غلط فہمی کی دو ہی ممکنہ وجہ ہو سکتی ہیں:

(۱)۔ وہ اس فرق سے واقف ہی نہیں، یعنی محض جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں؛ یا پھر دانستہ طور پر حق و باطل کو خلط ملط کرتے ہیں، ہٹ دھرمی اور ضد میں ایسا کرتے ہیں، تاکہ سادہ لوح عوام کو جنہیں شرعی احکام کی باریکیوں کا علم نہیں ہوتا انہیں دھوکے میں ڈال سکیں۔

(۲)۔ (یعنی جان بوجھ کر حق کو باطل سے مخلوط کرنا) ان میں سے بعض معصیت کار لوگوں کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو بدنامی سے بچا سکیں اور جاہل عوام کو یہ باور کرا سکیں کہ ان کے گناہ کی وجہ سے ان سے قطع تعلق کرنا جائز نہیں ہے، نیز علمائے حق یا طلبہ علم ان سے جو دینی بنیاد پر کنارہ کشی کرتے ہیں وہ درست راستے پر نہیں ہیں"۔[1]

چنانچہ اس مضمون میں ڈاکٹر زبیر کے انہی تلبیسات اور شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے، خاص طور پر امام سفیان الثوری رحمہ اللہ کی طرف منسوب اس قول کا جس میں انہوں نے فرمایا: "مَنْ مَاشَى الْمُبْتَدِعَ

[1] تحفة الإخوان بما جاء في الموالاة والمعاداة والحب والبغض والهجران لحمود بن عبد الله التويجري، ص: (٣٨).

عندنا، فهو مبتدع" (جو کسی بدعتی کے ساتھ چلتا پھرتا ہے وہ ہمارے نزدیک بھی بدعتی ہے)[1]، اس قول کی استنادی حیثیت، اور اس قول پر مبنی نصوص شرعیہ اور آثار سلف، اور ڈاکٹر زبیر صاحب کے اس حوالے سے پیدا کردہ شبہات کا تفصیلی رد اس مقالے کا خاصہ ہوگا۔

ہماری تحریر و تحقیق کا مقصد کسی کی ذات کو ہدف بنانا نہیں، بلکہ ان افکار کا علمی تعاقب ہے جو "تحقیق" کے لبادے میں منہجِ سلف کی بنیادوں کو کمزور کرنے کا باعث بن رہے ہیں، بالخصوص مصلحت کی آڑ میں الولاء والبراء کے عظیم باب کو مداہنت کی چادر میں لپیٹنے کی کوشش کی جارہی ہے، چنانچہ اس مضمون میں یہی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا سلف کی شدت (جیسا کہ ڈاکٹر زبیر اس کو شدت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ شدت نہیں بلکہ دین وسنت کی حمیت وغیرت ہے) محض ان سلف صالحین کا ذاتی مزاج اور وقتی ردعمل تھا یا اس کے پیچھے شریعت کے مقاصد اور تحفظِ دین کی کوئی ٹھوس بنیاد موجود تھی، اس مضمون میں ہم نہ صرف اس قول کی استنادی حیثیت پر بات کریں گے بلکہ شرعی اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت کریں گے کہ سلف کا یہ منہج آج بھی قابلِ عمل اور ناگزیر ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے مذکور قول پر بحث کریں اور ان پر وارد ہونے والے اعتراض کا جائزہ لیں، یہ بات از حد ضروری ہے کہ اس عظیم شخصیت کے مقام، ان کے علمی تبحر اور ان کے منہج کو سمجھا جائے، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر اور ان جیسے دیگر ناقدین اکثر یہ تاثر دیتے ہیں کہ بعض ائمہ کا رویہ "تشددانہ" تھا اور اسے عام اصول نہیں بنایا جاسکتا، اس کی تطبیق کسی بھی مسلم معاشرہ میں ہرگز نہیں دی جاسکتی یا

[1] اس اثر کا درست ترجمہ یہ ہے: "ہمارے یہاں جو شخص مبتدعین کے ساتھ چلتا پھرتا ہے وہ بھی انہی میں شمار کیا جائے گا"۔ گویا امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنے شہر کے متعلق یہ بات فرمائی ہے، یعنی ان کے شہر کے باشندوں میں سے اگر کوئی اہل بدعت کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو اہل بدعت کا حکم ہے۔ (حافظ علیم الدین یوسف)۔

یہ کہ ان کے اقوال محض ان کی ذاتی رائے تھے، اس دعوے کی حقیقت جانچنے کے لیے پہلے ہمیں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا تعارف سلف کی نظر میں دیکھنا ہوگا۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مختصر تعارف:

امام سفیان بن سعید الثوری (۹۷ھ - ۱۶۱ھ) کا شمار ان نادرِ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی ثقاہت وعدالت پر امت کا اجماع ہے، گوکہ آپ کو میدان فن حدیث میں زیادہ شہرت ملی لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی علمی گرفت تمام فنون شرعیہ پر تھی، فن حدیث میں یحییٰ بن معین، شعبہ بن حجاج، ابوعاصم اور سفیان بن عیینہ جیسے مایہ ناز محدثین کرام نے آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث تسلیم کیا، امام اوزاعی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ "(اب) سفیان ثوری کے سوا کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جس پر پوری امت راضی ہو اور اس کے درست (اور صحیح) ہونے پر متفق ہو"۔[1]

فقہ و اجتہاد کے میدان میں وہ ائمۂ مجتہدین میں شمار ہوتے تھے جن کے قوی فقہی اجتہادات واستنباطات کی بناء پر مذاہب اربعہ کے وجود سے قبل ہی ان کے فقہی مذہب کا وجود تھا، اگرچہ ائمہ اربعہ کے مسالک کے پھیلاؤ کے باعث یہ سلسلہ زیادہ عرصہ بقانہ پاسکا، تاہم فقہ وحدیث کی قدیم ترین کتب میں دیگر ائمہ کے ساتھ ساتھ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے فقہی آراء و اجتہادات مذکور ہیں، "سنن ترمذی" جیسی معتمد کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو اکثر ابواب میں "وبه يقول سُفْيَانَ الثَّوْرِيُّ" کے الفاظ اس بات کے شاہد ہیں۔

آپ کی شہرت یوں تو محدث اور فقیہ کے طور پر ہے، لیکن 'فنِ تفسیر' میں بھی آپ کو امامت کا درجہ حاصل ہے اور اپنے زمانہ کے کبار مفسرین میں شمار کئے جاتے تھے؛ متقدمین مفسرین (جیسے ابن جریر طبری اور

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم الرازي: (٥٦/١)-

ابن ابی حاتم وغیرہما) نے آپ کی تفسیری مرویات پر بھرپور اعتماد کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ قرآن فہمی اور استنباطِ مسائل میں ایک منفرد اور بلند مقام رکھتے تھے، اپنی بابت خود فرماتے ہیں کہ "قرآن اور مناسک کے سلسلہ میں جو پوچھنا ہے پوچھو، کیونکہ میں ان دونوں میں دسترس رکھتا ہوں"[1]، حتی کہ تفسیر قرآن میں وارد ان کے جمیع مرویات کو جمع کیا جاچکا ہے اور ابھی کتابی شکل میں بھی ان کی تفسیر "تفسیر سفیان الثوری" کے نام سے متداول ہے۔

اسی طرح عقیدہ ومنہج کے باب میں بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ امامت کے درجہ پر فائز تھے، یہی وجہ تھی کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خود امام اھل السنۃ ہونے کے باوجود کہا کرتے تھے کہ "اصل امام تو سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں، اور فی الحال میرے دل میں ان سے بڑھ کر کوئی امامت پر فائز نہیں ہے (یعنی ان پر کسی کو فوقیت حاصل نہیں)"۔[2]

اھل السنۃ والجماعۃ کے امتیازی امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اہل سنت سلف صالحین اور خالص سلفی علماء سے محبت کرتے ہیں اور ان کی توقیر وتعظیم کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام صابونی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "عقیدۃ السلف وأصحاب الحدیث" میں ذکر کرتے ہیں کہ ابو رجاء قتیبہ بن سعید نے ہمارے سامنے اپنی تصنیف 'کتاب الایمان' پڑھی، تو اس کے آخر میں یہ عبارت تھی:

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ سفیان ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، شعبہ، ابن مبارک، ابوالاحوص، شریک، وکیع، یحیٰی بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی (جیسے ائمہ) سے محبت کرتا ہے، تو جان لو کہ وہ صاحبِ سنت ہے"۔

---

[1] تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: (٧٣/٧٤)۔

[2] تهذيب الكمال للمزى: (١١/١٦٦)۔

یہ اقوال محض تعریفی کلمات نہیں ہیں بلکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فہم، ان کا عمل اور ان کا منہج بذات خود اجماعی اصول کے پس منظر میں "تشریعی اہمیت" رکھتا ہے، جب وہ کسی مسئلے پر کلام کرتے ہیں، تو وہ اپنی ذاتی رائے نہیں دے رہے ہوتے، بلکہ وہ خیر القرون کے اس ورثے کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں جو انہوں نے صحابہ اور کبار تابعین سے حاصل کیا، لہذا، ان کے اقوال کو محض "ایک عالم کی رائے" کہہ کر رد کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

فتنوں کے دور میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا اصولی موقف:

امام سفیان الثوری کا زمانہ (دوسری صدی ہجری) وہ تھا جب امت میں سیاسی عروج وزوال اور مختلف فکری فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، خوارج وروافض، جہمیہ، معتزلہ، مرجئہ اور قدریہ اپنے نظریات کو منظم کر رہے تھے اور سیاسی و سماجی سطح پر اثر انداز ہو رہے تھے، ایسے پر آشوب دور میں امام ثوری نے "خاموشی"، "مصلحت پسندی" یا "رواداری" کا وہ راستہ اختیار نہیں کیا جس کی تلقین آج کے جدید مزعوم مفکرین کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے دوٹوک انداز میں حق کی وضاحت کی اور باطل افکار واقوال سے مکمل لاتعلقی کا اظہار کیا۔

ان کا منہج اس اصول پر مبنی تھا کہ دین میں ادنیٰ مداہنت بھی پورے دین کے انہدام کا باعث بن سکتی ہے، بلکہ یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کا منہج "الاتباع لا الابتداع" کا عملی نمونہ تھا۔

"من ماشی المبتدع عندنا فهو مبتدع" کی استنادی حیثیت اور اس کا درست مفہوم:

زیرِ نظر موضوع، اس مقالہ کا بنیادی حصہ ہے، کیونکہ یہ اسی "قول" یا "اصول" سے متعلق ہے جسے ڈاکٹر محمد زبیر صاحب نے اپنی تنقید کا مرکزی ہدف بنایا ہے، ڈاکٹر صاحب نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی طرف منسوب قول "مَنْ مَاشَى الْمُبْتَدِعَ عِنْدَنَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ" (جو بدعتی کے ساتھ چلا، وہ ہمارے

نزدیک بدعتی ہی ہے) کو بنیاد بنا کر منہج سلف کے ایک اہم ترین ستون "ہجر المبتدع" کو منہدم کرنے یا کم از کم اسے عصرِ حاضر میں ناقابلِ عمل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

اس باب میں ہم ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات کو تین بنیادی نکات میں تقسیم کر کے ان کا تفصیلی علمی، تاریخی اور منہجی جائزہ لیں گے:

(ا) مذکورہ قول کی آڑ میں ہجر المبتدع کا انکار:

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کا پہلا اور بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ امام سفیان ثوری کا یہ قول (اور اس قبیل کے دیگر مروی اقوال بھی) "انتہا پسندی" اور "تشدد" پر مبنی ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ آج کا دور گلوبل ویلج اور مخلوط معاشرت کا دور ہے، جہاں دفاتر، تعلیمی اداروں اور سماجی تقریبات میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ایسے میں اگر ہم "مَن مَّاشَی" (جو ساتھ چلا) کے ظاہر پر عمل کریں گے تو جینا محال ہو جائے گا۔

یہ اعتراض در حقیقت ھجر المبتدع کے باب میں "ہجر" کے شرعی مفہوم کو صرف ایک تنگ دائرے یعنی "سماجی بائیکاٹ" میں قید کر دینے کا نتیجہ ہے، ڈاکٹر صاحب نے ہجر کے وسیع علمی اور تربیتی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے محض "بول چال بند کرنے" تک محدود سمجھ لیا، حالانکہ سلف کے ہاں ہجر کے مفاہیم اور درجات انتہائی وسیع ہیں جو مصالح و مفاسد اور اصول و ضوابط سے مربوط ہیں، کیونکہ "ہجر کا مدار اشخاص پر نہیں، بلکہ بدعت، اس کے اثر، اور مصلحت و مفسدہ کے موازنہ پر ہے"، ہجر المبتدع پر مجمل خلاصہ پیش خدمت ہے تاکہ ڈاکٹر زبیر صاحب کا خلط مبحث اور اس باب میں ان کے علمی مغالطہ کی وضاحت ہو سکے اور یہ بھی واضح ہو سکے کہ یہ کوئی نیا باب و منہج نہیں ہے جس کو ڈاکٹر زبیر اور ان کے حواری امپورٹڈ سلفیت سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ یہ تو قرآن و سنت اور تعامل سلف سے ماخوذ اجماعی باب ہے:

ہجر کا لغوی مطلب ہوتا ہے ترک کرنا یا چھوڑ دینا۔

جبکہ شرعی اصطلاح میں اہلِ سنت کا کسی بدعتی شخص سے، اس کی بدعت کی وجہ سے، شریعت کے مقررہ اصول وضوابط کے مطابق، دینی مصلحت کے پیشِ نظر، ایسے تعلقات، مجالست، موافقت اور اعانت کو ترک کرنا جن سے بدعت کی تقویت، اس کی اشاعت، یا اہلِ حق پر اس کا اثر مرتب ہونے کا اندیشہ ہو۔

مطلقاً ہجر کے تحت علماء نے کافی انواع بیان کی ہیں لیکن ہجر المبتدع کے موضوع میں اس کی عموماً دو انواع بیان کی جاتی ہیں:

ہجر تادیبی: جو بدعتی کو تنبیہ، تادیب اور اصلاح کی نیت سے اختیار کیا جائے، تاکہ وہ اپنی بدعت سے باز آئے یا کم از کم اس کے شر کا دائرہ محدود ہو، اور یہ عموماً اپنے متعلقین کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ باپ کا اپنے بدعتی یا فاسق بیٹے سے قطع تعلق کرنا، یا استاذ کا اپنے بدعتی یا فاسق شاگرد سے ہجر کرنا، یا شوہر کا اپنی بدعتی یا فاسقہ بیوی سے بات چیت بند کر دینا یا ایک دوست کا دوسرے بدعتی یا فاسق دوست سے ترک تعلق کر لینا وغیرہ تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے۔

ہجر وقائی: جو اہلِ سنت، عوام یا طلبۂ علم کو بدعت کے اثر اور سرایت سے بچانے کے لیے اختیار کیا جائے، چاہے بدعتی پر اس کا کوئی اثر پڑے یا نہ پڑے، اور اس کا اطلاق عموماً رؤوس المبتدعہ یا ان بدعتیوں پر ہوتا ہے جو لوگوں میں اپنی بدعت کی ترویج کرتے ہوں اور پھیلاتے ہوں، جیسے کہ اعیان سلفیت کا رؤوس المبتدعہ سے قطع تعلق کر لینا وغیرہ۔

ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہجر تادیبی میں ہجر کا مخاطب سیدھا بدعتی یا فاسق ہوتا ہے، اور بنیادی مقصد اس کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔

جبکہ ہجر وقائی میں ہجر کے مخاطب عوام الناس یا طلبہ علم ہوتے ہیں تاکہ وہ مہجور کے بدعت وفسق سے پرہیز کر سکیں، اور اس کا بنیادی مقصد تحفظ، سد ذریعہ اور انفرادی واجتماعی سلامتی دین ہوتی ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے "ہجرِ تادیبی" (جو کہ مصلحت کے تابع ہے) کو "ہجرِ وقائی" (جو دین کی حفاظت کے لیے واجب ہے) کے ساتھ خلط ملط کر دیا، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا منشا یہ نہیں تھا کہ آپ بدعتی کے ساتھ بازار میں چل نہیں سکتے، بلکہ ان کا مقصد "مماشاۃ" (یعنی اس کے ساتھ ایسی رفاقت اور دوستی رکھنا جس سے اس کی بدعت کی تائید ہو یا اپنا دین خطرے میں پڑے) سے روکنا تھا، جیسا کہ مستعمل فعل (مماشاۃ بر وزن مفاعلہ) سے واضح ہے، لہذا اسے تشدد کہنا سلف کی حکمتِ عملی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

(۲) مذکورہ قول کی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی طرف نسبت اور اس کا تحقیقی جائزہ۔

ڈاکٹر زبیر نے اس قول کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

جبکہ راقم الحروف کو ان الفاظ کے ساتھ "مَنْ مَاشَى الْمُبْتَدِعَ عِنْدَنَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ" کتبِ مصادر میں امام سفیان ثوری سے مروی کوئی قول نہیں ملا، ہاں البتہ اس قول میں وارد بنیادی کلمہ "مشی مع المبتدع" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین عظام سے اور ائمہ کرام کی تبویبات میں ضرور موجود ہے، جس سے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے قول کو مزید تقویت مل جاتی ہے جس کی تفصیل درج ہے:

۱- عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه أَنَّهُ يَقُولُ: "مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ مَمْشَاهُ، ومَدْخَلُهُ، ومَخْرَجُهُ مَعَ أَهْلِ الْعِلْمِ".[1]

[1] كتاب الزهد لابن أبي عاصم: (ص ٤٦)۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "انسان کی فقاہت اور دانشمندی کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کا چلنا پھرنا، اور اس کا کہیں آنا اور جانا، ہمیشہ اہلِ علم کی معیت میں ہو"۔

۲- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: "إِنَّمَا يُمَاشِي الرَّجُلُ وَيُصَاحِبُ مَنْ يُحِبُّهُ، وَمَنْ هُوَ مِثْلُهُ". [۱]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "انسان درحقیقت اسی کے ساتھ چلتا اور اسی کی رفاقت اختیار کرتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہو، اور جو (عادات وخصائص میں) ہو بہو اسی جیسا ہو"۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول دیگر الفاظ میں یوں بھی مروی ہے جس سے مذکورہ ان کے قول کی وضاحت ہوتی ہے:

- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: «اعْتَبِرُوا الرَّجُلَ بِمَنْ يُصَاحِبُ، فَإِنَّمَا يُصَاحِبُ مَنْ هُوَ مِثْلُهُ»۔ [۲]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "آدمی کی شناخت اس کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کے ذریعے کرو، کیونکہ انسان اسی کی صحبت اختیار کرتا ہے جو (سیرت وکردار میں) خود اسی کی مانند ہوتا ہے"۔

۳- امام ابنِ وضاح اپنی سند کے ساتھ حمید الاعرج سے روایت کرتے ہیں کہ: "غیلان (قدریہ فرقے کا بانی) مکہ آیا اور وہاں قیام پذیر ہوا، پھر وہ مجاہد رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا: "اے ابوالحجاج! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ

---

[۱] الإبانة الكبرى لابن بطة: (١/٤٧٦)۔

[۲] الإبانة الكبرى لابن بطة: (٢/٤٧٧)۔

آپ لوگوں کو مجھ سے منع کرتے ہیں اور میرا (برائی کے ساتھ) تذکرہ کرتے ہیں، کیا آپ تک میرے حوالے سے کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو میں نہیں کہتا؟، میں تو بس یہ کہتا ہوں، (یعنی وہ اپنی باتوں کی تاویلات پیش کرنے لگا)، چنانچہ اس نے ایسی باتیں پیش کیں جن پر مجاہد رحمہ اللہ نے کوئی نکیر نہیں کی، جب وہ اٹھ کر چلا گیا، تو مجاہد نے لوگوں سے کہا: "اس کے پاس مت بیٹھنا، کیونکہ یہ قدری ہے"۔

حمید کہتے ہیں: (اس واقعے کے بعد) ایک روز میں طواف کر رہا تھا کہ غیلان نے پیچھے سے آکر میری چادر کھینچی، میں نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا: مجاہد فلاں فلاں حرف کیسے پڑھتے ہیں؟، میں نے اسے بتایا "فمشى معي" تو وہ میرے ساتھ چلنے لگا، اتنے میں مجاہد نے اسے میرے ساتھ دیکھ لیا، پھر جب میں مجاہد رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے گفتگو کرنے لگا تو وہ مجھے کوئی جواب نہیں دے رہے تھے، میں سوال کرتا رہا مگر وہ خاموش رہے، میں اگلی صبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں اسی حال پر پایا (کہ وہ ناراض تھے)، میں نے عرض کیا: "اے ابو الحجاج! آپ کو کیا ہوا؟ کیا آپ کو میرے بارے میں کوئی بات پہنچی ہے؟ کیا مجھ سے کوئی نئی بات (گناہ یا بدعت) سرزد ہوئی ہے؟ آخر میرا کیا قصور ہے؟ تو مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: "کیا میں نے تمہیں غیلان کے ساتھ نہیں دیکھا تھا؟ حالانکہ میں نے تمہیں اس سے بات کرنے یا اس کی ہمنشینی اختیار کرنے سے منع کیا تھا"۔ میں نے عرض کیا: "اللہ کی قسم اے ابو الحجاج! مجھے آپ کا فرمان یاد نہیں رہا تھا، اور میں نے اس سے گفتگو کی ابتدا نہیں کی تھی، بلکہ اس نے مجھ سے شروعات کی تھی"۔ اس پر مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: "اللہ کی قسم اے حمید! اگر تم میرے نزدیک سچے نہ ہوتے تو جب تک میں زندہ رہتا تو میں تمہاری طرف زندگی بھر خوشی و خوشگواری کے ساتھ نہ دیکھتا"۔ [1]

۴- ایوب سختیانی رحمہ اللہ کو ایک میت کے غسل کے لئے بلایا گیا، آپ لوگوں کے ہمراہ تشریف لے گئے، یہاں تک کہ جب اس میت کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو آپ نے اسے پہچان لیا، اور لوگوں سے فرمایا:

---

[1] البدع لابن وضاح: (ص: ۱۲۷)۔

"أقبلوا قبل صاحبكم، فلست أغسله، رأيته يماشي صاحب بدعة""تم لوگ اپنے اس ساتھی کو خود ہی سنبھالو، میں اسے ہرگز غسل نہیں دوں گا؛ کیونکہ میں نے اسے ایک بدعتی شخص کے ساتھ چلتے پھرتے (اس کی ہم نشینی کرتے) دیکھا ہے"۔[1]

۵- ابن وضاح نے اپنی کتاب "البدع والنهي عنها" میں روایت نقل کی ہے کہ ہمیں اسماعیل بن سعد بصری نے ایک شخص سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ اس شخص نے بیان کیا ہے: "كنتُ أمشي مع عمرو بن عبيد فرآني ابن عون فأعرض عني شهرين". "میں ایک مرتبہ عمرو بن عبید کے ہمراہ چل رہا تھا کہ ابنِ عون نے مجھے دیکھ لیا، تو (اس صحبت کی پاداش میں) انہوں نے دو ماہ تک مجھ سے اعراض برتا یعنی مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرلی"۔[2]

۶- امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إِذا رَأَيْته يمشى مَعَ صَاحب بِدعَة وَحلف لَك أَنه على غير دأبه فَلَا تصدقه"۔ "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی بدعتی کے ہمراہ چل رہا ہے، پھر وہ تمہیں قسم دے کر بھی کہے کہ وہ اس بدعتی کی روش پر نہیں ہے، تب بھی تم اس کی بات کا یقین نہ کرنا"۔[3]

۷- امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "جو شخص کسی بدعتی کے ہمراہ چلتا ہو تو بطورِ سرزنش اس سے کلام نہ کیا جائے"۔[4]

اسی طرح اگر ائمہ کرام کے تبویبات دیکھے جائیں تو ہجر المبتدع پر عموماً کئی ائمہ کرام و محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں "باب اجتناب أهل الأهواء والبدع والخصومة"، "باب مجانبة أهل

---

[1] شرح أصول الاعتقاد: (١/٤١١)۔

[2] البدع والنهي عنها لابن وضاح القرطبي (ص: ١٠٣)۔

[3] الثقات لابن حبان: (٨/٤٣٢)۔

[4] الكنز الأكبر من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لابن داود الحنبلي: (ص ٤٣٤)۔

الأهواء وبغضهم"، "باب ترك السلام على أهل الأهواء"، "باب ذكر هجرة أهل البدع والأهواء"، "باب عقوبة الإمام والأمير لأهل الأهواء"، "النهي عن مجالسة أهل الأهواء"، "في استتابة أهل الأهواء واختلاف أهل العلم في تكفيرهم"، "سياق ما روي عن النبي ﷺ والصحابة والتابعين في مجانبة أهل القدر وسائر أهل الأهواء"، "باب النهي عن مجالسة أهل البدع ومكالمتهم"، "باب هجر أهل البدع والمعاصي في الأفعال الظاهرة"، "باب مجانبة أهل الأهواء"، "هجر أهل البدع" اور "باب التحذير من اهل البدع" جیسے ابواب قائم کرکے بتادیا ہے کہ جس طرح ہر مسئلہ کی اصل کتاب وسنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود ہے، اسی طرح ہجر المبتدع کا مسئلہ بھی ہے، جس میں ان ائمہ ومحدثین نے ان ابواب کے تحت قرآن وسنت اور آثار سلف کو پیش کیا۔

انہی ابواب میں سے ایک باب میں مشی کا ذکر ملتا ہے جس میں ابن وضاح رحمہ اللہ (۲۸۷ھ) نے اپنی کتاب "البدع والنهي عنها" میں باب قائم کئے ہیں کہ "النهي عن الجلوس مع أهل البدع والخلطة والمشي معهم" یعنی بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنے، ان سے میل جول رکھنے اور ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی ممانعت کا بیان۔

ائمہ کرام کی تبویبات سے واضح ہوا کہ اہل البدع سے ہجر کی تعلیم کسی شخص کا ذاتی یا فردی منہج نہیں بلکہ ان کے درمیان یہ منہج رائج اور اصل من اصول الدین تھا جو تواتر سے ثابت ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام وائمہ کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ یہ قول (من ماشی المبتدع عندنا فھو مبتدع) جسے ڈاکٹر زبیر نے بنیاد بنا کر ایک تو ہجر المبتدع جیسے باب کو سرے سے انکار کر دیا، پھر سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس

قول کو تشدد پر مبنی کہا، گرچہ یہ قول بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے، لیکن بدعت اور اہل بدعت سے تحذیر اور ان سے ہجر کی بابت متعدّد اقوال منقول ہیں، جو ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں۔

سب سے پہلے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ان اقوال کو ذکر کروں گا جو سند کے اعتبار سے پختہ اور ثابت ہیں، پھر ان اقوال کی موافقت میں قرآن و سنت، آثارِ صحابہ اور امام موصوف رحمہ اللہ کے عہد (۱۶۱ھ) تک کے ائمہ (تابعین و تبع تابعین) کے کے اقوال پیش کروں گا، تاکہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ آیا یہ موقف واقعی تشدد پر مبنی ہے (جیسا کہ ڈاکٹر زبیر صاحب کا دعویٰ ہے) یا پھر موصوف نے 'ہجر المبتدع' کے باب کی نزاکتوں کو سمجھے بغیر ہی ایک جلیل القدر امام پر تشدد کا بے جا الزام عائد کر دیا ہے:

پہلا اثر: "من أصغى بسمعه إلى صاحب بدعة، وهو يعلم أنه صاحب بدعة، خرج من عصمة الله، ووكل إلى نفسه".

"جو شخص کسی بدعتی کی بات توجہ سے سنے، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ بدعتی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی سے محروم ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے"۔[1]

دوسرا اثر: "من سمع من مبتدع لم ينفعه الله بما سمع، ومن صافحه فقد نقض الإسلام عروة عروة".

[1] حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني: (٧ / ٣٣-٣٤)-

"جس شخص نے کسی بدعتی کی بات (بغرضِ علم) سنی، اللہ تعالیٰ اسے اس سنی ہوئی چیز سے کچھ نفع نہ دے گا، اور جس نے اس بدعتی سے مصافحہ کیا، تو گویا اس نے اسلام کے بندھن کو گرہ در گرہ کھول ڈالا (یعنی اس نے اسلام کی بنیاد کو تہس نہس کر ڈالا)"۔[1]

تیسرا اثر: "من جالس صاحب بدعة لم يسلم من إحدى ثلاث: إما أن يكون فتنة لغيره، وإما أن يقع في قلبه شيء فيزل به فيدخله الله النار، وإما يقول: والله ما أبالي ما تكلموا وإني واثق بنفسي، فمن أمن الله على دينه طرفة عين سلبه إياه".

"جو شخص کسی بدعتی کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے، تو وہ یقینی طور پر ان تین خطرات میں سے کسی ایک کا شکار ضرور ہوتا ہے: یا تو وہ دوسروں کے لئے فتنہ اور گمراہی کا سبب بن جاتا ہے (کہ لوگ اسے بدعتی کے پاس دیکھ کر دھوکہ کھاتے ہیں)، یا بدعتی کی باتیں سن کر اس کے دل میں کوئی ایسی چیز (شبہ) بیٹھ جاتی ہے جس کے سبب اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور اللہ اسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے، یا پھر وہ (اپنی ذات پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے ہوئے) یہ کہتا ہے کہ: اللہ کی قسم! مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ یہ لوگ کیا باتیں کرتے ہیں، مجھے اپنے آپ پر پورا بھروسہ ہے، (تو یاد رکھو) جو شخص اپنے دین کے معاملے میں پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ (کی گرفت اور آزمائش) سے بے خوف و بے فکر ہوا، اللہ اس سے وہ دین چھین لیتا ہے"۔[2]

چوتھا اثر: "لا تخالط صاحب بدعة". "کسی بدعتی کے ساتھ میل جول اور نشست و برخاست ہرگز نہ رکھو"۔[3]

---

[1] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي: (١/٢١٠)

[2] (البدع والنهي عنها لابن وضاح القرطبي : (ص ١٠٤)۔

[3] الإبانة الكبرى لابن بطة: (رقم ٤٥٣)۔

پانچواں اثر: محمد بن یوسف فریابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان سفيان الثوري ينهاني عن مجالسة فلان يعني رجلا من أهل البدع".

"سفیان ثوری مجھے ہمیشہ ایک شخص یعنی اہلِ بدعت میں سے ایک آدمی کی ہم نشینی سے منع فرماتے تھے"۔[۱]

چھٹا اثر: سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إذا أحب الرجلُ الرجلَ في الله ثم أحدث حدثا في الإسلام، فلم يبغضه عليه فلم يحبه لله".

"جب کوئی شخص کسی سے محض اللہ کی خاطر محبت رکھے، پھر وہ دوسرا شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے، اور یہ (پہلا شخص) اس کے اس عمل پر اس سے بغض نہ رکھے، تو اس نے حقیقتاً اس سے اللہ کی خاطر محبت کی ہی نہیں تھی"۔[۲]

ساتواں اثر: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما من ضلالة إلا ولها زينة، فلا تعرض دينك إلى من يبغضه إليك".

"کوئی گمراہی ایسی نہیں جس کے ساتھ (کچھ نہ کچھ) ظاہری آرائش نہ ہو، لہٰذا تم اپنے دین کو کسی ایسے شخص کے سامنے پیش نہ کرو جو اسے تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنادے"۔[۳]

آٹھواں اثر: سفیان ثوری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: "من دعاك وأنت تخاف أن يفسد عليك قلبك ودينك، فلا تجبه".

---

[۱] (الإبانة الكبرى لابن بطة : رقم ٤٥٤)

[۲] (المجالسة وجواهر العلم لابن علي الدينوري ٢/٩٠)

[۳] (الإبانة الكبرى لابن بطة : رقم ٤٤٧)

"اگر کوئی شخص تمہیں (اپنی طرف) دعوت دے، اور تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ تمہارے دل اور دین میں بگاڑ پیدا کر دے گا، تو تم اس کی دعوت ہرگز قبول نہ کرو"۔ [1]

نواں اثر: یحییٰ بن سعید القطان بیان کرتے ہیں: "جب سفیان ثوری رحمہ اللہ بصرہ تشریف لائے، تو انہوں نے ربیع بن صبیح کے معاملات اور لوگوں کے درمیان اس کے بلند مقام و منزلت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ پھر پوچھا: أَيُّ شَيْءٍ مَذْهَبُهُ؟ "اس کا مسلک کیا ہے؟"، لوگوں نے جواب دیا: "مَا مَذْهَبُهُ إِلَّا السُّنَّةُ "ان کا مسلک تو محض سنت ہے، پوچھا: مَنْ بِطَانَتُهُ؟ "اس کے ہم نشیں و رازدار (دوست) کون لوگ ہیں؟"، لوگوں نے کہا: "أَهْلُ الْقَدَرِ "اہلِ قدر (قدریہ فرقے کے لوگ) ہیں"، اس پر سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: "(پھر تو) یہ شخص بھی قدری ہے"۔

ابن بطہ رحمہ اللہ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ سفیان ثوری پر اپنی رحمت نازل فرمائے، یقیناً انہوں نے حکمت پر مبنی بات کہی، سچ کہا، اور علم کی بنیاد پر کلام کیا، چنانچہ ان کی یہ بات کتاب و سنت کے عین موافق ٹھہری، اور وہی بات کہی جس کا حکمت تقاضا کرتی ہے، اور جسے اہل بصیرت و بیان بخوبی پہچانتے ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمۡ لَا يَأۡلُونَكُمۡ خَبَالٗا وَدُّواْ مَا عَنِتُّمۡ ﴾. [2] "اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ، (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو"۔ [3]

---

[1] (حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني ٦/٣٩٣)

[2] آل عمران: ١١٨.

[3] (الإبانة الكبرى لابن بطة ٢/٤٥٣)

دسواں اثر: سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إذا لقيت صاحب هوى في طريق فخذ في طريق آخر"۔ "اگر راستے میں تمہارا سامنا کسی بدعتی سے ہوجائے، تو تم فوراً دوسرا راستہ اختیار کر لو"۔[1]

قارئین کرام! آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ان منقول آثار میں بدعات سے ممانعت، ان میں ملوث ہونے سے تحذیر، اہلِ بدعت کی ہم نشینی سے سختی کے ساتھ روکنا، ان سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تاکید، اور بغیر احتیاط کے ان کی بات سننے سے گریز کرنے پر زور دیا گیا ہے، اور یہ تحذیر نہ تو کوئی ان کی رائے تھی نہ اجتہاد تھا اور نہ ان کے یہ شاذ اقوال ہیں بلکہ ہجر المبتدع پر دلالت کرنے والے نصوص شرعیہ کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام کے اجماعی تعامل پر مبنی اقوال ہیں، چنانچہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ہجر المبتدع کے قول پر دلالت کرنے والے نصوص وآثار اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے زمانہ تک کے سلف صالحین کے اقوال ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ مسلمہ اصول پر قائم تھے:

آیات قرآنیہ:

(۱) ﴿وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ أَنۡ إِذَا سَمِعۡتُمۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَأُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُواْ مَعَهُمۡ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيۡرِهِۦٓ إِنَّكُمۡ إِذٗا مِّثۡلُهُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱلۡكَٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ١٤٠﴾[2] "اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو!

---

[1] المجالسة وجواهر العلم لأبي بكر الدينوري: (٦/٣٣١)۔

[2] النساء: (١٤٠).

جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقین کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے"۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس آیتِ کریمہ (کے حکم) میں قیامت تک آنے والا دین میں ہر نئی بات نکالنے والا ہر بدعتی شامل ہے۔[1]

چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ اگرچہ یہ آیت خاص پس منظر میں اتری تھی، لیکن اس کا حکم عام ہے۔ قیامت تک جو بھی شخص دین میں کوئی نیا طریقہ (بدعت) ایجاد کرے گا، اس کے پاس بیٹھنا یا اس کی باطل توجیہات سننا اسی ممانعت میں آئے گا۔

اس آیت کے ضمن میں امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: "یہ آیت ہمیں صاف صاف بتاتی ہے کہ جب بدعتی یا فاسق اپنی غلط باتوں اور کاموں میں مگن ہوں، تو اس وقت ان کے ساتھ محفل ومجلس میں ہمنشینی اختیار کرنا حرام ہے، اور اس ممانعت (ہجر) میں ہر طرح کے اہلِ باطل شامل ہیں، اور گزشتہ زمانے کے بہت سے ائمہ (سلف صالحین) بھی اسی طرح کی بات کہتے تھے۔ انہوں نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کے باطل کاموں اور باطل مجلسوں میں حاضر ہونے کی ممانعت ہے، جبکہ اہل باطل اس باطل کام میں مشغول ہوں"۔[2]

(۲) ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٦٨﴾﴾[3] "اور جب آپ ان لوگوں

---

[1] تفسير البغوي – مذكوره آيت كى تفسير۔

[2] (تفسير طبرى ، ٧/٦٠٣)

[3] الأنعام: ٦٨.

کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں"۔

ابن العربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور یہ (آیت) اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ منکر (کفار، مشرکین، بدعتی اور فاسقین) کی ہم نشینی حلال نہیں ہے۔"[1]

سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس (آیت) میں ملحدین (دین میں کج روی اختیار کرنے والوں) اور لغو (فضول) باتیں کرنے والوں کی محفلوں سے بچنے کے واجب ہونے کا بیان ہے۔"[2]

اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بہت بڑی نصیحت ہے جو اُن بدعتیوں کی ہم نشینی (مجالست) کے معاملے میں سستی اور نرمی برتتے ہیں جو اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، اور انہیں اپنی گمراہ کن خواہشات اور فاسد بدعات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پس اگر یہ (بیٹھنے والا) شخص ان پر رد نہیں کر سکتا اور ان کی موجودہ حالت کو تبدیل نہیں کر سکتا، تو کم از کم اتنا تو کرے کہ ان کی محفل چھوڑ دے؛ اور یہ کام اس کے لیے بہت آسان ہے، کوئی مشکل نہیں۔

(ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ) کبھی کبھار وہ بدعتی اس شخص کی اپنے ساتھ موجودگی کو (باوجود اس کے کہ یہ شخص ان کے غلط کاموں سے بری ہوتا ہے) عام لوگوں کے لیے شبہ (اور دھوکے) کا ذریعہ بنا لیتے ہیں (کہ اگر ہم غلط ہوتے تو یہ فلاں شخص ہمارے پاس کیوں بیٹھتا)۔ اس طرح اس کی وہاں موجودگی میں صرف برائی

---

[1] (احکام القرآن لابن العربی المالکی ، مذکورہ آیت کی تفسیر)

[2] (الإكليل للسيوطي، مذکورہ آیت کی تفسیر)

سننے سے بڑھ کر ایک اور (بڑی) خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم نے ایسی بے شمار ملعون مجلسوں کا مشاہدہ کیا ہے (جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا)، اور ہم نے اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق حق کی مدد اور باطل کو دور کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

اور جو شخص اس شریعتِ مطہرہ کی کماحقہ معرفت رکھتا ہے، وہ یہ بخوبی جانتا ہے کہ گمراہ بدعتیوں کی ہم نشینی میں جو فساد اور خرابی ہے، وہ اس خرابی سے کئی گنا زیادہ ہے جو ان گناہ گاروں کی ہم نشینی میں ہے جو حرام کاموں کے ارتکاب کے ذریعے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

خاص طور پر اس شخص کے لیے (یہ بہت خطرناک ہے) جو کتاب وسنت کے علم میں پختہ کار نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان (بدعتیوں) کے جھوٹ اور ہذیان (فضول بکواس) میں سے کوئی ایسی بات اس کے سامنے آئے جو بالکل واضح باطل ہو، لیکن وہ اس کے دل میں ایسی پیوست ہو جائے (یا شبہ پیدا کر دے) کہ اس کا علاج مشکل اور اس کا نکالنا دشوار ہو جائے، پھر وہ عمر بھر اسی (باطل) پر عمل کرتا رہے اور اللہ سے اسی حالت میں جا ملے کہ وہ اسے حق سمجھ رہا ہو، حالانکہ وہ بدترین باطل اور سخت ترین منکر ہو۔"۔[1]

احادیث نبویہ:

ویسے تو سنتِ نبوی ﷺ سے اہلِ بدعت کی ہم نشینی کی ممانعت پر علماء نے کئی دلائل پیش کئے ہیں لیکن اس پر دلالت کرنے والی ایک واضح دلیل سیدنا کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم کی وہ صحیح اور مستند حدیث ہے، جس میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے اور اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کا ان سے میل جول موقوف کر دینے کا واقعہ مذکور ہے، یہ ایک تفصیلی حدیث ہے اسی میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] (فتح القدير للشوكاني: ٢/١٤٦ | فتح البيان للقنوجي : ٤/١٦٥)

"وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ مِنْ بَيْنِ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ، فَاجْتَنَبَنَا النَّاسُ وَتَغَيَّرُوا لَنَا حَتَّى تَنَكَّرَتْ فِي نَفْسِي الْأَرْضُ، فَمَا هِيَ الَّتِي أَعْرِفُ، فَلَبِثْنَا عَلَى ذَلِكَ خَمْسِينَ لَيْلَةً، فَأَمَّا صَاحِبَايَ فَاسْتَكَانَا وَقَعَدَا فِي بُيُوتِهِمَا يَبْكِيَانِ، وَأَمَّا أَنَا فَكُنْتُ أَشَبَّ الْقَوْمِ وَأَجْلَدَهُمْ، فَكُنْتُ أَخْرُجُ فَأَشْهَدُ الصَّلَاةَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ وَأَطُوفُ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يُكَلِّمُنِي أَحَدٌ، وَآتِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي مَجْلِسِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَأَقُولُ فِي نَفْسِي: هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ عَلَيَّ أَمْ لَا؟ ثُمَّ أُصَلِّي قَرِيبًا مِنْهُ، فَأُسَارِقُهُ النَّظَرَ، فَإِذَا أَقْبَلْتُ عَلَى صَلَاتِي أَقْبَلَ إِلَيَّ، وَإِذَا الْتَفَتُّ نَحْوَهُ أَعْرَضَ عَنِّي حَتَّى إِذَا طَالَ عَلَيَّ ذَلِكَ مِنْ جَفْوَةِ النَّاسِ مَشَيْتُ حَتَّى تَسَوَّرْتُ جِدَارَ حَائِطِ أَبِي قَتَادَةَ وَهُوَ ابْنُ عَمِّي وَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَوَاللَّهِ مَا رَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا قَتَادَةَ، أَنْشُدُكَ بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمُنِي أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ؟ فَسَكَتَ، فَعُدْتُ لَهُ فَنَشَدْتُهُ، فَسَكَتَ، فَعُدْتُ لَهُ فَنَشَدْتُهُ، فَقَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَفَاضَتْ عَيْنَايَ ".

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی، بہت سے لوگ جو غزوے میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان میں سے صرف ہم تین تھے! لوگ ہم سے الگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے، ایسا نظر آتا تھا کہ ہم سے ساری دنیا بدل گئی ہے، ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے، میرے دو ساتھیوں نے تو اپنے گھروں سے نکلنا ہی چھوڑ دیا، بس روتے رہتے تھے لیکن میرے اندر ہمت تھی کہ میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا لیکن مجھ سے بولتا کوئی نہ تھا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، آپ کو سلام کرتا، جب آپ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے، میں اس کی جستجو میں لگا رہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ ہلے یا نہیں، پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کنکھیوں (ترچھی نظر) سے دیکھتا رہتا جب میں اپنی نماز میں مشغول ہو جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے لیکن جونہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ رخ مبارک پھیر لیتے، آخر جب اس طرح لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو میں (ایک دن) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور مجھے ان سے بہت گہرا تعلق تھا، میں نے انہیں سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا، ابوقتادہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مجھے کتنی محبت ہے، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا اللہ کی قسم دے کر لیکن اب بھی وہ خاموش تھے، پھر میں نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا، اس مرتبہ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس پر میرے آنسو پھوٹ پڑے"۔ [1]

اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد نے اس حدیث سے گناہ گاروں سے قطع تعلق کے ساتھ ساتھ اہل بدعت سے ہجر کے مسئلے پر استدلال کیا ہے۔

امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں یہ علمی نکتہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے مابین تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کی جو ممانعت ہے وہ دراصل ان معاملات تک محدود ہے جو باہمی رنجش و ناراضگی یا حقوقِ معاشرت وغیرہ میں کوتاہی کا نتیجہ ہوں، اس ممانعت میں وہ ترکِ تعلق شامل نہیں جو حقِ دین (یعنی دینی غیرت) کی بنیاد پر کیا جائے، کیونکہ اہلِ بدعت اور خواہشات کے پیروکاروں سے ترکِ تعلق تو ہمیشہ اور ہر وقت برقرار رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ توبہ کرکے حق کی طرف لوٹنے کا اظہار نہ کردیں۔

---

[1] (صحیح البخاری: ۴۴۱۸، و صحیح مسلم: ۲۷۶۹)

(سیدنا کعب کے واقعہ میں بھی یہی امر تھا کہ) رسول اللہ ﷺ کو کعب اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نفاق کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا جب وہ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ کے ہمراہ نکلنے سے پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے بائیکاٹ کا حکم دیا اور انہیں تقریبًا پچاس دن تک اپنے گھروں میں لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھے رہنے کا پابند کیا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی توبہ کی قبولیت نازل فرمادی، پس رسول اللہ ﷺ کو نفاق سے ان کے بری الذمہ ہونے کی معرفت حاصل ہوئی"۔ [1]

امام بغوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ ایک صحیح حدیث ہے، اور اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ اہلِ بدعت کا بائیکاٹ ہمیشہ کے لئے جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کو جب کعب اور ان کے ساتھیوں کے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے پر نفاق کا اندیشہ لاحق ہوا تو آپ ﷺ نے (مسلمانوں کو) ان سے قطع تعلق کرنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ نازل فرمادی اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی براءت اور سچائی کا علم ہو گیا، لہذا صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور علمائے سنت کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اہلِ بدعت سے دشمنی رکھنے اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر متفق ہیں"۔ [2]

آثار صحابہ:

(۱) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے صبیغ عراقی کو (بے جا سوالات پر) زدوکوب کیا اور اہل بصرہ کی جانب یہ تحریری حکم بھیجا کہ وہ اس کی ہم نشینی اختیار نہ کریں۔

---

[1] (معالم السنن للخطابي ٤/٢٩٦)

[2] (شرح السنة للبغوي ١/ ٢٢٦-٢٢٧)

امام ابن بطہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'الإبانة' میں ابو عثمان النہدی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ:

"بنی یربوع کے ایک شخص نے جسے صبیغ کہا جاتا تھا، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سورۃ الذاریات، النازعات اور المرسلات، یا ان میں سے کسی ایک (کے مشکل مقامات یا تشریح) کے بارے میں سوال کیا، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: "اپنے سر سے کپڑا ہٹاؤ، اس نے سر سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ اس کے سر پر گھنے بال تھے، یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں تجھے سر منڈا ہوا پاتا (یعنی اگر تیرے سر کے بال خوارج کی طرح منڈے ہوئے ہوتے)، تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ (راوی کہتے ہیں): پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کی جانب یہ فرمان لکھ بھیجا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے، (یا راوی نے یہ کہا کہ) 'آپ رضی اللہ عنہ نے ہماری جانب لکھ بھیجا کہ تم لوگ اس کے پاس مت بیٹھنا۔ (ابو عثمان بیان کرتے ہیں) چنانچہ حالت یہ تھی کہ اگر وہ ہماری مجلس میں آکر بیٹھ جاتا، اور ہم سو افراد بھی ہوتے، تو ہم سب اسے چھوڑ کر الگ الگ ہو جاتے۔[1]

(۲) یحیی بن یعمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب تقدیر کے منکرین کے متعلق بتایا تو انہوں نے فرمایا:

"جب تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو انہیں بتا دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، اس ذات کی قسم جس کے نام کے ساتھ عبد اللہ بن عمر حلف اٹھاتا ہے! اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے خرچ بھی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اس کو قبول نہیں فرمائے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے"۔[2]

---

[1] (الإبانة الكبرى لابن بطة : ٢/٤١٤)

[2] (صحيح مسلم : ١/٣٦ - رقم الحديث : ٨)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے"، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں کوئی نئی چیز (یعنی بدعت) ایجاد کی ہے؛ چنانچہ اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے، تو تم اسے میری جانب سے سلام مت پہنچانا"۔[1]

(۳) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: 'اہلِ اہواء (یعنی خواہشات پرست اور بدعتیوں) کے پاس مت بیٹھو، کیونکہ ان کی ہم نشینی دل کو بیمار کر دیتی ہے"۔[2]

ان نصوص وآثار سے معلوم ہوا کہ ہجر المبتدع کی مشروعیت قرآن وسنت اور آثار صحابہ میں پہلے سے موجود ہے، بلکہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی وفات سے قبل امام اوزاعی رحمہ اللہ اپنی ایک تحریر (جسے انہوں نے ابراہیم بن ایوب دمشقی کیلئے لکھا تھا) میں ہجر المبتدع کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو، نصیحت کرنے والوں کی نصیحت اور وعظ کہنے والوں کی پند وموعظت قبول کرو۔ اور خوب جان لو کہ یہ علم درحقیقت 'دین' ہے؛ لہٰذا خوب دیکھ بھال لو کہ تم کیا کر رہے ہو؟ (یہ دین) کس سے حاصل کر رہے ہو؟ کس کی پیروی کر رہے ہو؟ اور کسے اپنے دین کا امین بنا رہے ہو؟ کیونکہ تمام اہلِ بدعت باطل پرست، بہت بڑے جھوٹے اور گناہ گار ہیں۔ نہ وہ (اپنی گمراہی سے) باز آتے ہیں، نہ غور وفکر کرتے ہیں اور نہ ہی (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات میں ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ وہ تمہاری سنی ہوئی باتوں میں تحریف نہ کر دیں (یعنی وہ نصوص کے معانی بدل دیتے ہیں)۔ وہ

---

[1] مسند الدارمي - ت حسين أسد (١/٣٨٨)۔

[2] (الشريعة للأجري ص ٦١ | والإبانة الكبرى لابن بطة ٢/٤٣٨)

ایسی باتیں کہتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں؛ وہ منکر باتوں کو پھیلانے اور اپنے گھڑے ہوئے جھوٹ کو ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور اللہ ان کے تمام کرتوتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

لہٰذا تم ان سے ہوشیار رہو، ان پر (دین کے معاملے میں) تہمت لگاؤ (یعنی انہیں مشکوک سمجھو)، انہیں مسترد کر دو اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ کیونکہ تمہارے متقدمین علماء اور بعد میں آنے والے نیک لوگ (اہل بدعت کے ساتھ) یہی رویہ رکھتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور اس بات سے بچو کہ تم (ان بدعتیوں کی حمایت کرکے) اللہ کے مقابلے میں ان کے مددگار بن جاؤ، اس کے دین کو ڈھانے والے اور اس (دین) کی مضبوط کڑیوں کو توڑنے اور کمزور کرنے والے بن جاؤ۔

(یاد رکھو!) ان کی توقیر یا تعظیم کرنا، ان سے دین حاصل کرنا، ان کی پیروی کرنا، ان کی تصدیق کرنا اور ان سے میل ملاپ یا یارانہ رکھنا یہ سب کام اس بات کا ذریعہ بنتے ہیں کہ تم ان کے کرتوتوں میں ان کی مدد کرو، تاکہ وہ (مزید) لوگوں کو گمراہ کر سکیں اور کمزور (ایمان والے) مسلمانوں کو اپنی رائے اور اپنے (خود ساختہ) دین کی طرف مائل کر سکیں، اور ان کے (باطل) اعمال میں تمہاری شرکت کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے (کہ تم ان کو عزت دو یا ان کے ساتھ بیٹھو)۔"[1]

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ اثر "ہجر المبتدع" پر سلف صالحین کے اجماع کی ایک قدیم اور ٹھوس دلیل ہے، جس میں دعویٰ اجماع کے تین بنیادی اسالیب پائے جاتے ہیں، پہلا تو یہ تاریخی سبقت کے طور پر انہوں نے یہ بیان امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی وفات (۱۶۱ھ) سے قبل ہی قلمبند کرکے یہ ثابت کر دیا کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں بھی یہ مسئلہ اہل السنۃ کے ہاں زیرِ بحث نہیں بلکہ ایک طے شدہ اصول تھا، دوسرا یہ کہ شمولیت واستغراق کے طور پر کہ انہوں نے "عُلَمَاءَكُمُ الْأَوَّلِينَ" کے الفاظ استعمال کرکے واضح کیا کہ یہ منہج

[1] (تاريخ دمشق لابن عساكر : ٦/٣٦٢ : في ترجمة إبراهيم بن أيوب الدمشقي ، رقم الترجمة : ٣٧٥)

کسی فردِ واحد کا نہیں بلکہ تمام متقدمین سلف میں اعتقاداً و عملاً مشترکہ طور پر موجود تھا، اور سوم یہ کہ استمرار و تواتر کے طور پر انہوں نے "وَمَنْ صَلَحَ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ" اور "يَفْعَلُونَ وَيَأْمُرُونَ" کہہ کر اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ اہلِ بدعت سے دوری کا یہ عمل محض نظریاتی نہیں تھا، بلکہ اسلاف سے لے کر اخلاف تک ایک مسلسل "اجماعِ عملی" کے طور پر رائج تھا جس پر نہ صرف عمل کیا جاتا بلکہ سختی سے کاربند رہنے کا حکم بھی دیا جاتا تھا۔

اسی طرح اسی مفہوم میں دیگر ائمہ کرام سے مروی کئی اقوال وابواب، عقیدہ کے کتب مصادر میں وارد ہیں جو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس ہجر المبتدع کے قول کی تائید کرتے ہیں:

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے قبل دیگر ائمہ کے اقوال:

ہجر المبتدع پر صرف امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے زمانہ تک کے علماء کے اقوال پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ ان کے زمانہ میں اس متفقہ اصول کو پیش کرنے والے صرف امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نہیں تھے، بلکہ ان کے علاوہ بھی دیگر کئی کبار تابعی علماء تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی، جیسے:

(۱) سعید بن جبیر رحمہ اللہ (۹۵ھ)۔

- ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے مجھے دیکھ لیا کہ میں طلق بن حبیب کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو انہوں نے مجھ سے (سرزنش کرتے ہوئے) فرمایا: کیا میں نے تمہیں طلق بن حبیب کے پاس بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا؟ (خبردار!) اس کے پاس ہرگز مت بیٹھنا"۔[1]

- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ نے ابو المختار سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ "ذر الہمدانی (نامی شخص) نے ابو البختری الطائی کے پاس سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی شکایت کی

[1] مسند الدارمي - ت حسين أسد (۱/۳۸۸)۔

اور کہا: "میں ان کے پاس سے گزرا اور انہیں سلام کیا، مگر انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا"، اس پر ابوالبختری نے سعید بن جبیر سے (اس معاملے میں) بات کی، تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ شخص ہر روز دین میں نئی (بے اصل) باتیں ایجاد کرتا ہے، نہیں، اللہ کی قسم! میں اس سے ہرگز کلام نہیں کروں گا"۔[۱]

(۲) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (۹۶ھ)۔

ابن وضاح نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اہلِ اہواء (نفسانی خواہشات کے پیروکاروں اور بدعتیوں) کی صحبت اختیار نہ کرو اور نہ ہی ان سے کلام کرو، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے دل (حق سے) پھر نہ جائیں"۔[۲]

(۳) حسن بن محمد بن حنفیہ (۱۰۰ھ)۔

اصول الاعتقاد میں ابوالضحیٰ سے مروی ہے کہ حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "تقدیر کے منکرین (قدریہ) کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھا کرو"۔[۳]

(۴) امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱ھ)۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: "ان لوگوں یعنی اہلِ بدعت و گمراہ لوگوں کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک، ورنہ انہیں تلوار کی زد میں لایا جائے اور ان کی گردنیں اڑادی جائیں، اور

---

[۱] السنة لعبد الله (۳۲۸/۱)، والإبانة (۲/۸۹۱)، وأصول الاعتقاد (٥/ ١٠٦٢ - ١٠٦٣/ ١٨١٢)

[۲] ابن وضاح (ص ١٠٨) والإبانة (٢/٤٣٨) وذكره الشاطبي في الاعتصام (١/١١٣)۔

[۳] أصول الاعتقاد (٤/ ٧٦٤ - ٧٦٥، ١٢٧٨) والإبانة (٢/٢٣٠ / ١٠/ ١٨٢٩)

ان میں سے جو شخص اس حال میں مارا جائے، تو اس کی میراث اس کے ورثاء ہی کی ہوگی؛ کیونکہ وہ قانوناً مسلمان ہی ہوتے ہیں؛ ہاں البتہ وہ اپنے بُرے اور کفریہ عقیدے کی وجہ سے قتل کئے جاتے ہیں"۔ [۱]

(۵) مسلم بن یسار رحمہ اللہ (۱۰۱ھ)۔

مسلم بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کسی بدعتی کو اپنے کانوں تک رسائی ہرگز نہ دو (کہ وہ تمہیں اپنی باتیں سنا سکے)، ورنہ وہ تمہارے کانوں کے راستے دل میں ایسی چیز انڈیل دے گا جسے پھر دل سے نکال باہر کرنا تمہارے بس میں نہ رہے گا"۔ [۲]

(۶) امام شعبی رحمہ اللہ (۱۰۴ھ)۔

امام لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "تم قدریہ (منکرینِ تقدیر) کی ہم نشینی ہرگز اختیار نہ کرو؛ قسم ہے اُس ذات کی جس کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے، یہ لوگ درحقیقت (اپنے منحرف عقائد کی بنا پر) عیسائیوں جیسے ہیں"۔ [۳]

(۷) ابو قلابہ رحمہ اللہ (۱۰۴ھ)۔

ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اہلِ اہواء (یعنی خواہشات کے پیروکار بدعتیوں) کی ہم نشینی اختیار مت کرو اور نہ ہی ان سے بحث و مناظرہ کرو؛ کیونکہ مجھے تمہارے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں بھی اپنی گمراہی میں غرق کر دیں گے، یا پھر جو حق تم جانتے ہو، اسے تمہارے لئے مشتبہ بنا دیں گے"۔ [۴]

---

[۱] أصول السنة (ص ۳۰۸)

[۲] الإبانة لابن بطة (۲/٤٥٩)

[۳] أصول الاعتقاد (٤/٧٦١)

[۴] الإبانة لابن بطة: (۲/٤۳٥)۔

(۸) امام طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ (۱۰۶ھ)۔

ابن حثیم سے روایت ہے کہ امام طاؤس اور طلق بن حبیب ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ اسی اثنا میں ان کے پاس بدعتیوں میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا: کیا آپ مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت دیں گے ؟ اس پر امام طاؤس نے اس سے فرمایا: "اگر تم بیٹھو گے، تو ہم اٹھ جائیں گے"۔ اس شخص نے (منت سماجت کے انداز میں) کہا: اے ابو عبد الرحمن! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے (یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟) طاؤس نے جواب دیا: "بالکل ایسا ہی ہے (تم نے صحیح سمجھا)، اگر تم بیٹھے تو اللہ کی قسم! ہم اٹھ جائیں گے" چنانچہ وہ شخص واپس چلا گیا۔ [۱]

(۹) حسن بصری رحمہ اللہ (۱۱۰ھ)۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: "نہ تو اہلِ بدعت (خواہشاتِ نفسانی کے پیروکاروں) کی ہم نشینی اختیار نہ کرو، نہ ان سے بحث و مناظرہ کرو، اور نہ ہی ان کی باتیں سنا کرو"۔ [۲]

مزید فرماتے ہیں: "کسی بدعتی کی ہم نشینی اختیار نہ کرو؛ (کیونکہ ایسا کرنے سے دو میں سے ایک صورت پیش آئے گی): یا تو وہ تمہارے دل میں کوئی ایسی بات (شبہ) ڈال دے گا جس میں تم اس کی پیروی کر بیٹھو گے اور یوں ہلاک ہو جاؤ گے، یا پھر تم اگرچہ اس کی مخالفت تو کرو گے لیکن (اس کے ڈالے ہوئے وسوسوں کی وجہ سے) تمہارا دل بیمار ہو جائے گا"۔ [۳]

---

[۱] الإبانة (۲/٤٤٧)

[۲] أصول الاعتقاد (۱/ ۱۵۰/۲٤۰)، وذم الكلام (ص۱۸۹)، والإبانة (۲/ ٤٤٤)، وجامع بيان العلم وفضله (۲/۹٤٤)، والبيهقي في الشعب (۷/٦۱) وميزان الاعتدال (۱/۳)۔

[۳] ما جاء في البدع (ص ۱۱۰) وذكره الشاطبي في الاعتصام (۱/۱۱۲)۔

(١٠) ابن سیرین رحمہ اللہ (١١٠ھ)۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی بدعتی سے کوئی بات سنتے تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے، اور پھر فرماتے: "میرے لئے یہ جائز نہیں کہ میں اس سے کوئی بات کروں، یہاں تک کہ یہ میری مجلس سے اٹھ کر چلا نہ جائے"۔[1]

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی وفات تک ان کے علاوہ بھی اور بھی سینکڑوں تابعین وتبع تابعین کے ہجر المبتدع پر اقوال مذکور ہیں، جن میں عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما، سلیمان بن یسار، بکر بن عبد اللہ المزنی، فضیل بن فضالۃ، رجاء بن حیوۃ، وھب بن منبہ، أبو جعفر الباقر، عطاء بن أبي رباح، عون بن عبد اللہ، مکحول، نافع مولی ابن عمر، قتادۃ بن دعامۃ السدوسي، میمون بن مھران، محمد بن کعب القرظي، ثابت بن أسلم البنانی، محمد بن شہاب الزھری، ھشام بن عبد الملک، ابو اسحاق السبیعی، یحی بن ابی کثیر، مالک بن دینار، ایوب السختیانی، سلیمان بن مھران الاعمش، جعفر صادق، امام ابو حنیفہ، اوزاعی، ابو جعفر منصور، شعبہ بن حجاج جیسے کبار اساطین علم شامل ہیں، جنہوں نے ہجر المبتدع پر قولا و فعلا عمل کر کے دکھایا اور عوام الناس کو تعلیم دی کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں فقط خالص سلفی علماء سے جڑے رہیں، اہل اھواء و بدعتی لوگوں کی معیت و مجالست سے پرہیز کریں، اب ڈاکٹر زبیر صاحب کو چاہیے جس طرح انہوں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کرام پر تشدد کا الزام لگایا ہے، ان تمام سلف صالحین پر بھی اپنی زبان دراز کریں بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں کہہ دیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے ساتھ زیادتی کی، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قدریہ کے ساتھ براءت کا اظہار کر کے ظلم کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہجر المبتدع پر قول تشدد پر مبنی تھا، العیاذ باللہ۔

---

[1] الإبانة (٢/٤٧٣)

(۳)مسئلہ "فروعی" نہیں، بلکہ "اصل الاصول" (ولاءوبراء) ہے۔

ڈاکٹر زبیر کا تیسرا زاویہ یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ کو سلف صالحین کا ایک اجتہادی یا فروعی غلطی کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ سفیان ثوری نے یہ جملہ سرے سے کہا ہی نہیں، تب بھی کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ مسئلہ کسی ایک امام کے قول پر کھڑا نہیں ہے، بلکہ یہ "الولاءوالبراء" (اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی) کے عظیم باب میں قرآن وسنت سے ماخوذ اصول پر قائم ہے؛ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ لَّا تَجِدُ قَوۡمٗا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ يُوَآدُّونَ مَنۡ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوۡ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمۡ أَوۡ أَبۡنَآءَهُمۡ أَوۡ إِخۡوَٰنَهُمۡ أَوۡ عَشِيرَتَهُمۡۚ أُوْلَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ ٱلۡإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٖ مِّنۡهُۖ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُۚ أُوْلَٰٓئِكَ حِزۡبُ ٱللَّهِۚ أَلَآ إِنَّ حِزۡبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ٢٢ ﴾[1]

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے آگاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔

اس آیت سے امام مالک رحمہ اللہ نے قدریہ سے دشمنی اور ان کی عدم مجالست پر استدلال کیا ہے۔[2]

---

[1] المجادلة: (٢٢).

[2] (تفسیر قرطبی ، مذکورہ آیت کی تفسیر)۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ قول (مَنْ مَاشَى الْمُبْتَدِعَ...) محض ایک "فتویٰ" نہیں ہے جسے رد کر دیا جائے، بلکہ یہ اس "منہجی اصول" کا ترجمان ہے جو اسلام کے دفاعی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر کا اس قول پر اعتراض درحقیقت اس "حفاظتی حصار" کو توڑنے کی کوشش ہے جو امت کو فکری گمراہی سے بچاتا ہے۔ ہجر المبتدع کا انکار یا اس کی تاویل، قرآن و سنت کی نصوص اور فہمِ صحابہ سے انحراف کے مترادف ہے۔

تمام تر علمی، تاریخی آثار و شواہد کے تجزیے کے بعد درج ذیل نتائج بطور خلاصہ معلوم ہوتا ہے:

امام سفیان الثوری کا قول "مَنْ مَاشَى الْمُبْتَدِعَ..." کے الفاظ گرچہ کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ثابت نہیں لیکن اسی مفہوم پر دلالت کرتی ان کے دیگر کئی آثار مروی ہیں، نیز اس باب میں کئی اقوال بھی وارد ہیں جن کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ہجر المبتدع ثابت اور قابلِ حجت ہے، اس کا انکار محض رواداری کے بہانے دراصل "منہج سلف" کا انکار ہے۔

ہجر المبتدع کا عام مقصد دین کی حمایت اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت ہے، ڈاکٹر زبیر "ہجرِ وقائی" اور "ہجرِ تادیبی" میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کے منہج سلف والے پوڈکاسٹ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے اعتراضات علمی تحقیق سے زیادہ "عصری دباؤ" اور "رواداری" کے نام پر سلفی منہج کے بنیادی اصولوں سے انحراف کی عکاسی کرتے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب اور ان کے متبعین کو ہماری مخلصانہ دعوت ہے کہ وہ منہجِ سلف کی تعلیمات کو اپنی عقل اور زمانے کی پسندیدگی کے تابع کرنے کے بجائے، اپنی فکر کو سلف کے فہم کے تابع کریں،

ائمہ اہل سنت کے آثار کی طرف رجوع کریں اور "عقل پرستی" کے بجائے "حق کی طرفداری" کا راستہ اپنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو، بشمول ڈاکٹر زبیر صاحب کے، صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرمائے اور سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔